یہ کتاب

اپنے بچوں کے لیے scan کی بیرونِ ملک مقیم ہیں

مو منین بھی اس سے استفادہ حاصل کر سکتے ہیں.

منجانب.

سبیلِ سکینہ

یونٹ نمبر ۸ لطیف آباد حیدر آباد پاکستان

۲

حضرت آیۃ اللہ سید عبد الحسین دستغیب شیرازی طاب ثراہ

بکھرے موتی

ترجمہ

داستانہائے پراگندہ

بکھرے موتی

ترجمہ

داستانہائے پراگندہ

دوسرا حصہ

مؤلف

حضرت آیۃ اللہ سید عبد الحسین دستغیب شیرازی طاب ثراہ

مترجم

جمال احمد شہیدی

کتابت

سید جعفر صادق

ناشر

خراسان بک سینٹر۔ کراچی

ملنے کا پتہ

خراسان بک سینٹر

۱۲۔ سنیعہ آرکیڈ ۔۔۔ بریٹو روڈ ۔۔۔ کراچی، ۷۴۸۰۰

فون: ۷۲۱۴۷۱۷، ۷۲۲۱۷۱۸

فہرست

درخشاں ستارہ

شہیدِ محراب آیت اللہ سید عبدالحسین دستغیب کی تیسری برسی کا موقع ہے۔ وہ ایک باعمل عالم اور بے بدل خطیب کی حیثیت سے ستر سال تک شیراز کی سرزمین پر نور افشانی کرتے رہے۔

اور بالآخر ظالم وجابر اور خدا کی معرفت سے بے بہرہ منافقین نے بظاہر اس روشن ستارے کو بُجھا دیا۔

منافقین اور دین سے بے خبر انھیں محرابِ عبادت میں شہید کر دینے کے بعد یہ سمجھے کہ اب اس کی روشنی ختم ہو جائے گی! لیکن ان ظالم احمقوں کو کیا خبر تھی کہ یہ ستارہ ہمیشہ روشن رہے گا۔ بلکہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس ستارے کی تابندگی میں مزید اضافہ ہوتا چلا جائے گا ——! کل بھی لوگ ان کی تقریروں اور تحریروں سے فائدہ اُٹھاتے تھے اور آج اس سے زیادہ فیض یاب ہو رہے ہیں۔

یہ کہنا کہ "اب اس ستارے کی درخشندگی میں مزید اضافہ ہو گیا ہے۔" انتہائی مختصر سا جملہ ہے۔ میں یہاں اس کی ایک حد تک وضاحت کر دینا ضروری سمجھتا ہوں۔

آج بھی لوگ، ملک کے دُور دراز علاقوں سے اس شہید کے حالاتِ زندگی جاننے کے لیے مجھے خط لکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان کے بارے میں وہ باتیں بتاؤں جن سے اب تک وہ بے خبر ہیں۔

مجھے شرمندگی اور افسوس ہے کہ میں اتنے بہت سے خطوط کا الگ الگ جواب دینے سے قاصر ہوں۔ ساتھ ہی مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ جو کتابیں اس باعظمت شہید کے نام سے شائع کی جاتی ہیں وہ ہاتھوں ہاتھ لے لی جاتی ہیں۔ ان کتابوں کی ابتدا میں جو مقدمہ تحریر ہوتا ہے اسے لوگ بڑے شوق سے پڑھتے ہیں اور چونکہ میں شہید کا عزیز ترین رشتہ دار ہوں لہٰذا ان کی زندگی کے سلسلے میں، میں جو کچھ لکھتا ہوں لوگ اسے دل وجان سے قبول کرتے ہیں۔

علمی شخصیّت

شہید آیت اللہ دستغیب عظیم علمی شخصیت کے حامل تھے۔ البتہ یوں تو آپ اپنے اہلِ علم رفقاء کے درمیان حتی الامکان اپنے علم کا غیر ضروری اظہار نہ فرماتے تھے اور خود کو ریاکاری سے بہت دُور رکھتے تھے۔

لیکن میں نے خود دیکھا ہے کہ جب کبھی آپ کو مراجع کرام اور علمائے عظام کے سامنے اپنے علم کا اظہار کرنا پڑتا تو وہ ایک خاص عزّت و تکریم کی نگاہ سے آپ کو دیکھتے تھے اور داد وتحسین دیے بغیر نہیں رہ سکتے تھے۔ لیکن اس علمی اظہار کا مقصد ہرگز یہ نہیں ہوتا تھا کہ کسی کی خفت کا پہلو نکالا جائے

یا اپنی برتری کو ثابت کیا جائے۔

میں نے کبھی آپ کو یہ کہتے نہیں سُنا کہ میں فلاں فلاں سے زیادہ قابل ہوں۔ وہ بزم میں موجود نہ رہنے والے علماء کے مقام اور مرتبے کا بھی پورا پورا لحاظ کیا کرتے تھے۔

سوادِ دل

"سواد" کے معنی فارسی زبان میں پڑھے لکھے اور تعلیم یافتہ ہونے کے ہیں اور عربی زبان میں "سواد" کے معنی سیاہ رنگ کے ہیں۔

ایک مرتبہ جب شیراز کے ایک مرجع کے بارے میں ان کے بعض مخالفین نے مشہور کر دیا کہ:

"فلانی سواد ندارد۔"

(یعنی فلاں صحیح طور پر پڑھا لکھا اور عالم فاضل نہیں ہے)

چنانچہ اس سلسلے میں میں نے آپ سے پوچھ لیا:

"لوگ کہتے ہیں فلاں باسواد نہیں ہے؟ یہ بات کہاں تک صحیح ہے ــــــ؟"

آیت اللہ شہید نے فرمایا:

"ان شاءاللہ ان میں سوادِ دل نہیں ہے۔"

صاف ظاہر ہے کہ یہاں پر آپ نے لفظ "سواد" سے سیاہی کے معنی لیے ہیں ــــــ یعنی ان شاءاللہ فلاں شخص کے دل میں تاریکی اور سیاہی نہیں ہے۔

ذرا غور فرمائیے کہ اس مختصر سے جواب میں آیت اللہ شہید نے

کس طرح سے اپنے بیٹے کی اخلاقی تربیت کا بھی خیال رکھا اور ساتھ ہی دُوسرے کو تحقیر سے بھی بچا لیا۔ حالانکہ جس طرح وہ مرجع جو بے سواد مشہور ہو گئے تھے، ہو سکتا ہے کہ خود اس شہید کے بھی مخالف اور رقیب رہے ہوں!

یہ ہوتا ہے کسی بات کے اچھے پہلو کو لے لینا اور اس کے بُرے پہلو کو نظر انداز کر دینا۔

آپ نے دیکھا کہ کس طرح انھوں نے لفظ "سواد" سے بہترین معنی لیے۔ اسی طرح یہ عظیم عالم دین ہمہ وقت دوسروں کے مراتب کا خیال رکھا کرتے تھے۔

درس کا اعلیٰ معیار

آپ کے درس کا معیار انتہائی اعلیٰ وارفع تھا۔ خاصے طویل عرصے تک آپ اُستاد کی حیثیت سے علم کے بیش بہا موتیوں کا خزانہ لُٹاتے رہے اور آپ کے بے شمار شاگرد انھیں چُن چُن کر جمع کرتے رہے۔

آج بھی اسلامی جمہوریہ ایران کے اہم عہدوں پر آپ کے متعدّد شاگرد خدمات انجام دے رہے ہیں۔ آپ کے تمام شاگرد اس بات پر متفق ہیں کہ اس شان سے درس دینے والے بہت کم دیکھنے میں آتے ہیں۔

۱۹۶۴ء میں عظیم رہبر امام خمینیؒ کو تُرکی جلاوطن کر دیا گیا۔ اُس زمانے میں یہ بندہ مایوس ہو کر شیراز آ گیا۔ مجھے آیت اللہ خمینیؒ سے خاص عقیدت تھی۔ میں ان سے دو اہم موضوعات پر درس پڑھتا تھا۔ مجھے اپنے ان دو درسوں کے چھوٹ جانے کا بہت افسوس تھا۔

شیراز آ کر اگر کسی حد تک اس کمی کو پورا کرنے کا ذریعہ کوئی چیز ثابت ہوئی تو یہ آیت اللہ دستغیب کے "فقہ" اور "اصولِ فقہ" کے درسوں میں

شرکت تھی۔ اُس وقت اور بھی بہت سے طلباء انہی درسوں میں دکھائی دیتے تھے جو آج بڑے مشہور و معروف عالم فاضل ہیں۔

منطق و فلسفہ پر عبور

بہت سے لوگ آج بھی اس حقیقت سے ناآشنا ہیں کہ شہید آیت اللہ دستغیب، منطق و فلسفہ پر کامل عبور رکھتے تھے اور عقلی دلائل کو آپ بڑی خوبصورتی سے پیش کیا کرتے تھے۔ چنانچہ عقائد سے متعلق عقلی دلیلوں کو اس طرح سے بیان فرمایا کرتے تھے کہ اسے سمجھنے میں کسی قسم کی دشواری نہیں ہوتی تھی۔ بلاشبہ آپ فلسفے کے ماہر اُستاد تھے۔

ایک عرصے تک آپ نے "منظومۂ سبزواری" کے اشعار کو بغیر کتاب کے پڑھایا اس کی تشریح فرمائی اور اپنے درس میں موقع اور محل کی مناسبت سے کتاب "اسفار" اور ابنِ سینا کے اقوال سے بھی شواہد و دلائل پیش کیے۔

بعض افراد بڑے عالم ضرور ہو جاتے ہیں لیکن ان کے پاس سلیس قوتِ بیان نہیں ہوتی۔ ایسے علماء جب اپنے علم کا اظہار کرتے ہیں تو طرح طرح کی مشکل اصطلاحات اور الفاظ کی ثقالت کے باعث ان کے ارشادات کو سمجھنا دشوار ہوتا ہے۔ لیکن شہیدِ محراب کو خداوندِ متعال نے خاص نعمت سے نوازا تھا وہ علم کے ساتھ ساتھ قوتِ بیان کی دولت سے بھی مالا مال تھے۔ میں نے نجفِ اشرف جانے سے قبل دس سال تک ان سے بہت کچھ حاصل کیا اور اس عرصے میں میں نے خاص طور پر اس بات کو محسوس کیا کہ ان کا بیان انتہائی آسان اور سادہ ہوتا ہے۔

بلند پایہ مقرر

یہ آیت اللہ دستغیب میں موجود قوتِ بیان کا ہی کرشمہ تھا جس نے انھیں ایک بلند پایہ مقرر بنا دیا تھا۔ آپ شب میں آیاتِ قرآنی کی تفسیر بیان کیا کرتے تھے۔ بہت سی آیتیں، نہج البلاغہ کا کافی حصّہ، صحیفۂ سجادیہ کی متعدد دعائیں اور اس کے بہت سے جملے آپ کے حافظے میں محفوظ تھے اور ان سے آپ کو بے انتہا لگاؤ تھا اور حیرت انگیز حد تک اہلِ بیتؑ اور ان کے ارشادات کے گرویدہ تھے۔ یہی وجہ تھی کہ اپنی تقریروں اور درسوں میں آپ ان سے بھرپور استفادہ کرتے تھے۔ لیکن اس کے باوجود جب کبھی بھی موقع میسر آتا، آپ مطالعہ کرنے میں ذرہ برابر بھی دریغ نہیں فرماتے تھے۔ بلاشبہ آپ مسلمان معاشرہ کے لیے ایک بہترین مثال اور رفعت و عظمت کی پہچان بن گئے تھے۔

۱۹۶۳ء میں آپ نے عظیم الشان رہبر امام خمینیؒ کی قیادت میں اسلامی انقلاب کے لیے جد و جہد کا آغاز کیا۔ شیراز کی جامع مسجد "سنگر" میں ہر شبِ جمعہ آپ "رزمی" تقریر کیا کرتے۔ ان رزمی تقاریر میں آپ اسلامی انقلاب کے لیے جہاد کرنے اور ظالم و جابر حکومت کے خلاف اُٹھ کھڑے ہونے کا درس دیتے تھے۔ جب کہ دوسری نوعیت کی تقاریر "بزمی" ہوا کرتی تھیں اور آپ ان میں تفسیر و اخلاق کا درس دیا کرتے تھے۔

آپ کی "رزمی" اور "بزمی" تقریروں میں بڑا فرق ہوتا تھا۔ اسی طرح اسلامی حکومت کے قائم ہو جانے کے بعد اپنی زندگی کے آخری دور میں خطبۂ جمعہ اور طلبہ کے منعقد کیے جانے والے درسِ اخلاق میں نمایاں طور پر فرق ہوتا تھا۔ یقیناً آپ ایک ماہر مقرر اور خطیب تھے اور تقاضائے وقت کے مطابق تقریر کرکے

اپنے علم وبصیرت سے سب کو سیراب کیا کرتے تھے۔

کہانیاں دلچسپی کا باعث

آیت اللہ شہید دستغیب کے باقی رہ جانے والے آثار کے سلسلے کے پانچ جزء شائع ہو چکے ہیں۔ یہ ایسی کتابیں ہیں جن میں انھوں نے عقائد اخلاقیات تفسیرِ قرآن ولایت اور احکامِ اسلام پر اپنے مخصوص انداز میں روشنی ڈالی ہے۔ اس بندے کو ان کتابوں کو مرتب و منظم کرنے اور ان کی تصحیح کرنے کے ساتھ ساتھ مقدمہ لکھنے کی توفیق بھی حاصل ہوئی۔

آیت اللہ شہید اپنی تقریروں میں بہترین مثالیں اور واقعات بیان کیا کرتے تھے۔ کیونکہ ان کی رائے یہ تھی کہ انسان کہانیاں اور واقعات گہری دلچسپی سے سُنتا ہے۔ اور حقیقت میں انسان قصّے کہانیوں کا گرویدہ ہے۔ چنانچہ آیت اللہ موصوف ان کہانیوں کے ذریعہ آدمی کی توجہ بہت سی حقیقتوں کی جانب مبذول کرا دیتے تھے۔ اس طرح کلام میں یکسانیت کے بجائے رنگینی اور جاذبیت پیدا ہو جاتی تھی نیز اکتاہٹ اور بیزاری کا خاتمہ ہو جاتا تھا۔ سچ ہے، شاعر نے کیا خوب کہا ہے ؎

خوشتر آن باشد کہ سرِ دلبراں
گفتہ آید در حدیثِ دیگراں

یعنی: کیا ہی خوب ہے کہ دوسروں کے سامنے دوستوں کے واقعات بیان کر کے کوئی راز کی بات بیان کر دی جائے۔

آپ کی تالیفات وتصنیفات کے لاکھوں پڑھنے والے اس بات کے گواہ ہیں اور درحقیقت آیت اللہ شہید کی مقبولیت کا راز یہی سہل اور شیریں انداز ہے۔

اِس کتاب کے بارے میں

اس سال آیت اللہ دستغیب کی چند کتابیں موضوع کے اعتبار سے شائع کی جا چکی ہیں اور باقی کتابیں بھی عنقریب زیورِ طبع سے آراستہ ہو جائیں گی۔ ایسی کتابوں میں سے ایک کتاب "داستانہائی پراکندہ" بکھرے موتی پیش کی جا رہی ہے۔ ان داستانوں کو جمع کرنے کی ذمّہ داری برادر جناب سید جلال اور سید ابراہیمی نے قبول فرمائی ہے۔ ہم اس سلسلے میں ان کی زحمات کے تہِ دل سے ممنون ہیں۔

اس کتاب کے مطالعے سے آپ اپنے اندر فکری اور معنوی لحاظ سے بہتری محسوس کریں گے۔ اولیائے خدا اور خاصانِ خدا کے واقعات پڑھ کر آپ کے دل پر یقیناً اس کے اچھے اثرات مرتب ہوں گے۔ کہانیوں اور واقعات کے ذریعے اس طرح کی امتیازی خصوصیت رکھنے والی کتابیں بہت کم ہیں۔

مختصر یہ کہ اس درخشاں ستارہ کی زندگی کے بہت سے پہلو ابھی سربستہ راز ہیں۔ امید ہے کہ اس کتاب کے مطالعے سے اور ابتدا میں تحریر کیے جانے والے ان چند صفحات سے ہم اس چمکتے دمکتے ستارے سے مزید واقفیت حاصل کر سکیں گے۔

آخر میں ہم دعا گو ہیں کہ خداوند متعال اس شہید کے درجات کو مزید بلند فرمائے۔ ان کے عزیز پوتے شہید محمد تقی دستغیب اور دوسرے تمام شہید ہو جانے والے جوانوں کو مزید رحمتِ اُخروی عنایت فرمائے اور ان کی ارواحِ مقدسہ کو ہم سب سے راضی اور خوش رکھے۔

والسلام

مورخہ ۲۱ اپریل ۱۹۸۴ء

سید محمد ہاشم دستغیب

اعمال کی اچھی بُری صُورتیں

جلیل القدر سید قاضی سعید قمیؒ کی کتاب "اربعین" میں ہے کہ شیخ بہائی بیان فرماتے ہیں:

اصفہان کے قبرستان میں میرا ایک دوست رہا کرتا تھا۔ اس کا کام ہی اس قبرستان میں رہتے ہوئے عبادت کرنا تھا۔ کبھی کبھار میں اس سے ملنے چلا جاتا تھا۔ ایک روز میں نے اس سے پوچھا:

"کیا تم نے قبرستان میں کوئی حیرت انگیز چیز دیکھی ہے؟"

اس نے کہا:

ہاں! ایک دن قبرستان میں ایک میّت لائی گئی اور اسے یہاں کے ایک گوشہ میں دفن کرکے عزیز و اقارب چلے گئے۔ عین مغرب کے وقت میں نے محسوس کیا کہ بڑی شدید بدبُو اٹھ رہی ہے۔ ایسی شدید بدبو میں نے زندگی میں کبھی محسوس نہیں کی تھی۔ چنانچہ مجھے اس سے سخت تکلیف پہنچ رہی تھی۔ اتنے میں میں نے دیکھا کہ کتے کی مانند وحشت ناک صورت کا کوئی جانور ہے اور یہ ساری بدبُو اسی سے پیدا ہورہی ہے۔ پھر وہ بدصورت جانور اسی قبر کے نزدیک پہنچ کر غائب ہوگیا۔ ابھی تھوڑی دیر بھی نہیں گزری تھی کہ میں نے انتہائی بہترین خوشبُو

محسوس کی۔ یہ خوشبو اتنی دل خوش کن تھی کہ میں نے اپنی زندگی میں ایسی خوشبُو کبھی نہیں سونگھی تھی۔

میں نے دیکھا کہ ایک نوجوان شاہی لباس پہنے ہوئے جارہا ہے اور یہ خوشبُو اسی کی تھی۔ پھر وہ بھی اسی قبر کے قریب پہنچ کر اچانک غائب ہوگیا۔ (مجھے یہ ملکوتی مناظر دیکھ کر انتہائی حیرت ہوئی) تھوڑی دیر بعد وہ خوبصورت نوجوان زخمی حالت میں قبر سے نکل کر جانے لگا۔

یہ دیکھ کر میں نے پروردگارِ عالم سے دعا مانگی کہ پروردگارا! مجھے سمجھا دے کہ یہ دونوں صورتیں کیا تھیں؟

چنانچہ مجھے بتایا گیا کہ وہ خوبصورت نوجوان، میّت کے نیک اعمال تھے اور بدصورت خوفناک کتا، میّت کے بُرے اعمال تھے۔

چونکہ اس کے بُرے اعمال زیادہ تھے لہٰذا اس کی قبر میں اس وقت تک اسی خوفناک جانور کا غلبہ رہے گا جب تک کہ اس کی سزا ختم نہیں ہوجاتی اور وہ اپنے گناہوں سے پاک نہیں ہوجاتا۔ پھر اس کے بعد اس خوبصورت نوجوان یعنی نیک اعمال کی باری آئے گی ـــــ!

مُردے کی مہمان نوازی

بعض اوقات دنیا والوں کی راہنمائی کے لیے ایسے واقعات پیش آتے ہیں جو باعثِ عبرت و نصیحت ہوتے ہیں۔

ایسے ہی واقعات میں سے ایک واقعہ مرحوم نراقی نے کتاب "خزائن" میں نقل کیا ہے۔ وہ اپنے قابلِ اعتماد دوستوں کی زبانی یوں بیان کرتے ہیں:

میری جوانی کا زمانہ تھا۔ والد محترم میرے ساتھ تھے۔ ہم اصفہان میں عید نوروز پر ایک دوسرے سے ملاقات کے لیے نکلے۔ یہ منگل کا دن تھا۔ ملنے ملانے کے سلسلے میں ہم ایک دوست کے پاس گئے، جو قبرستان کے قریب رہتا تھا۔ گھر سے جواب ملا:

"وہ موجود نہیں ہے۔"

ہم لوگ دُور سے آئے تھے لہٰذا تھکاوٹ دُور کرنے اور اہلِ قبور کی زیارت کے لیے قبرستان میں جا کر بیٹھ گئے۔ ہم میں سے ایک دوست نے مزاحاً ایک قبر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا:

"اے صاحبِ قبر! عید کا دن ہے۔ کیا تم ہماری دعوت نہیں کرو گے؟"

اچانک قبر سے آواز آئی:

"اگلے ہفتے منگل کے دن تم سب یہاں میرے مہمان ہو گے!"

یہ سُن کر ہم سب ڈر گئے اور سوچنے لگے کہ اب ہم زیادہ سے زیادہ آئندہ منگل تک ہی زندہ رہیں گے۔ چنانچہ ہم سب اپنے اپنے معاملہ کی اصلاح میں مشغول ہو گئے اور جو کچھ وصیت وغیرہ کرنا تھی اس سے فارغ ہو گئے۔ پھر ایک ایک دن کر کے پورا ہفتہ ختم ہونے کو آیا لیکن کسی کے مرنے کی کوئی خبر نہیں پہنچی یہاں تک کہ منگل کا دن بھی آگیا۔ اب ہم سب جمع ہوئے اور ایک دوسرے سے کہنے لگے:

"اسی قبر کے پاس چلتے ہیں۔ غالباً اس دعوت سے موت مراد نہیں تھی۔"

جب ہم اس قبر کے پاس پہنچے تو ہم میں سے ایک نے کہا:

"اے صاحبِ قبر! اپنا وعدہ پورا کرو۔"

قبر سے آواز آئی:

"تشریف لائیے!"

(اسی کو کہتے ہیں کہ پروردگارِ عالم بعض اوقات اس پردے کو ہٹا دیتا ہے جو عالمِ برزخ کو دیکھنے کی راہ میں رکاوٹ ہوتا ہے تاکہ بندگانِ خدا عبرت حاصل کر سکیں)

الغرض ہماری آنکھوں سے پردے ہٹ گئے اور ملکوتی نگاہیں کھل گئیں۔ ہم نے دیکھا ایک انتہائی وسیع و عریض اور نہایت ہی خوبصورت باغ ہے جس میں صاف شفاف پانی کی نہریں جاری ہیں۔ وہاں کے درختوں پر ہر موسم کی فصل کے پھل لگے ہوئے ہیں اور ان درختوں پر پرندے چہچہا رہے ہیں۔

پھر ہم انھیں درختوں سے گزرتے ہوئے ایک انتہائی خوبصورت مکان میں پہنچے۔ اس مکان کے اطراف میں بڑے بڑے کشادہ باغ تھے۔ مکان کے اندر پہنچ

کرہم نے دیکھا کہ ایک انتہائی حسین وجمیل نوجوان بیٹھا ہوا ہے اور اس کی خدمت
کرنے کے لیے متعدد افراد اس کے اردگرد تیار کھڑے ہیں۔ جیسے ہی اس نوجوان
کی نظر ہم پر پڑی وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور چند رسمی جملے کہے۔

وہاں ہم نے ایسے انواع واقسام کے پھل اور مٹھائیاں دیکھیں کہ جن کا
دنیا میں تصور نہیں کیا جا سکتا۔ مقصد یہ ہے کہ جب ہم نے یہ پھل اور مٹھائیاں
وغیرہ کھائیں تو سچی بات یہ کہ اس لمحے تک ہم نے اتنی لذیذ چیزیں نہیں کھائی تھیں
ایک خاص بات یہ تھی کہ ہم جتنا بھی کھاتے تھے طبیعت سیر نہیں ہوتی تھی بلکہ
مزید خواہش باقی رہتی تھی! پھر ہمارے لیے اور بھی انواع واقسام کے پھل لائے گئے،
مٹھائیاں پیش کی گئیں اور مختلف قسم کے ذائقہ دار کھانے دیے گئے۔

کچھ دیر بعد ہم وہاں سے اُٹھے تاکہ یہ جان سکیں کہ اب کیا ہوتا ہے
وہ نوجوان بھی اپنی جگہ سے اُٹھا اور ہمارے ساتھ ساتھ چلتا ہوا باغ کے باہر تک
آنے لگا۔ راستے میں میرے والد نے اس سے پوچھا:

"تم کون ہو کہ جسے خداوندِ متعال نے اتنی وسعت عطا فرمائی ہے اور
تم چاہو تو پوری دنیا کی مہمان نوازی کر سکتے ہو؟ اور آخر یہ کون سی جگہ ہے؟"

اس نے جواب دیا:

"میں آپ کا ہم وطن ہوں، فلاں جگہ پر گوشت فروخت کیا کرتا تھا۔"

میرے والدِ محترم نے پوچھا:

"آپ کو اتنا بلند مقام ومرتبہ کیسے حاصل ہوا؟

مہمان نوازی کرنے والے شخص نے جواب دیا:

"اس کے دو سبب ہیں: اوّل یہ کہ میں نے کبھی بھی تول میں کمی
نہیں کی اور اپنی آمدنی کو ہمیشہ پاک اور حلال رکھا۔ دوسرے ساری زندگی اوّل

وقت میں نماز ادا کیا کرتا تھا۔ جیسے ہی مؤذن کی صدائے 'اللہ اکبر' کانوں تک
پہنچتی، میں سب کچھ چھوڑ کر نماز کے لیے مسجد چلا جاتا تھا، خواہ اس وقت میرے
ترازو کے پلڑے پر گوشت ہی کیوں نہ ہوتا ہو۔

یہی دو خاص نیکیاں ہیں جن کی وجہ سے مجھے یہ مقام اور مرتبہ دیا گیا
ہے۔ گزشتہ ہفتے جب تم نے مجھ سے دعوت کی بات کی تھی تو اس وقت مجھے اس
سلسلے میں اجازت حاصل نہیں ہوئی تھی۔ اب اس ہفتے کے لیے مجھے اجازت مل گئی
ہے۔"

اس کے بعد ہم میں سے ہر ایک نے اپنی عمر کے بارے میں سوال کیا اور
اس نے جواب دیا۔ انہی جوابات میں سے اس واقعہ کو تحریر کرنے اور بیان کرنے
والے سے کہا کہ تم نوّے سال سے زیادہ زندہ رہو گے اور وہ آج بھی زندہ ہیں۔ مجھ
سے کہا کہ تم فلاں مدّت تک زندہ رہو گے اور اب اس مدّت کے پورا ہونے میں دس
پندرہ سال رہ گئے ہیں۔

اس کے بعد ہم نے اسے خدا حافظ کہا۔ وہ ہمارے ساتھ ساتھ چل رہا
تھا، ہم نے چاہا کہ پلٹ کر دوبارہ اس کے ساتھ ہولیں لیکن اسی لمحے ہم نے
خود کو اسی قبر کے کنارے پایا جہاں ہم پہلے بیٹھے ہوئے تھے!

نصیحت کرنے والے کو نصیحت

آقائے نوری اپنی کتاب "دار السلام" کی جلد اوّل صفحہ ۲۴۷ پر بزرگ عالم و زاہد سیّد ہاشم بحرانی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

نجفِ اشرف میں ایک عطر فروش رہا کرتا تھا۔ وہ روزانہ نمازِ ظہر کے بعد اپنی دکان پر وعظ و نصیحت کیا کرتا تھا۔ اس کی دکان پر ہمیشہ لوگوں کا اژدحام رہا کرتا تھا۔ نجف میں مقیم ایک ہندوستانی شہزادے کو جب سفر درپیش ہوا تو اُس نے انتہائی قیمتی قسم کے ہیرے جواہرات اپنے صندوق میں بھرے اور نصیحت کرنے والے اُسی عطر فروش کے پاس بطور امانت رکھ کر روانہ ہوگیا۔

کچھ عرصے بعد جب وہ سفر سے پلٹ کر آیا اور اپنی امانت طلب کی تو عطر فروش نے صاف انکار کردیا!

یہ سُن کر وہ ہندوستانی شہزادہ حیران و پریشان ہوگیا۔ اور بالآخر حضرت علی علیہ السلام کے روضۂ اقدس پر جاکر دعا کی اور یوں گویا ہوا:

"یا علیؑ! میں نے آپؑ کے جوارِ قبر میں رہنے کی خاطر اپنا وطن اور تمام ظاہری آرام و آسائش چھوڑا ہے۔ میرے پاس جو کچھ بھی تھا اسے میں نے فلاں عطر فروش کے پاس رکھوا دیا۔

اس کے علاوہ اب میرے پاس کچھ نہیں ہے! مگر وہ سرے سے اس کا انکار کر رہا ہے۔ اپنا حق ثابت کرنے کے لیے میرے پاس کوئی گواہ بھی موجود نہیں ہے۔ آپؑ کے علاوہ کوئی اور میری فریاد رسی کرنے والا نہیں ہے۔"

حضرت امیرالمومنینؑ کے روضے پر فریاد و فغاں کر کے یہ شہزادہ رات میں جب سویا تو اُس نے خواب دیکھا کہ حضرت علیؑ اس سے فرمارہے ہیں:

"کل صبح جب شہر کا دروازہ کھلے تو تم باہر نکل جانا اور جو شخص سب سے پہلے تمہیں نظر آئے اُس سے اپنی امانت طلب کرنا وہ تمہیں تمہاری امانت دے دے گا۔"

وہ شہزادہ سوکر اُٹھا اور نجف سے باہر نکلا۔ سب سے پہلے شخص پر جب اس کی نظر پڑی تو وہ ضعیف العمر، عابد و زاہد شخص تھا جو کندھوں پر لکڑیوں کا بوجھ لادے ہوئے جارہا تھا۔ اس کی صورتِ حال سے صاف ظاہر تھا کہ وہ ان لکڑیوں کو بیچ کر اپنے اہل و عیال کے اخراجات پورے کرتا ہے چنانچہ اس ہندی شہزادے کو اس سے امانت طلب کرتے ہوئے شرم محسوس ہوئی۔ دوبارہ پلٹ کر روضۂ مطہر پر آیا۔ اور دوسری رات جب سویا تو پھر خواب دیکھا کہ حضرت علیؑ اس سے کہہ رہے ہیں:

"تم نے کل اس شخص کو دیکھا تھا لیکن کچھ نہیں کہا!"

پھر تیسری رات بھی اُس شہزادے نے پچھلی دو راتوں ہی کی طرح خواب دیکھا۔ امامؑ نے وہی ہدایت فرمائی۔ چنانچہ تیسرے دن جب شہزادے نے اس ضعیف العمر مردِ مومن کو دیکھا تو اُس سے اپنے حالات بیان کیے اور اپنی امانت طلب کی۔ اس مردِ مومن نے کچھ دیر غور کرنے کے بعد کہا

"اچھا کل ظہر کے بعد تم اُسی عطر فروش کی دکان پر آجانا، میں تمھاری امانت تم تک پہنچا دوں گا۔"

دوسرے دن ظہر کے بعد جب سب لوگ اسی عطر فروش کی دکان پر جمع ہوئے تو ان میں وہ ضعیف العمر مردِ مومن بھی تھا۔ اس نے عطر فروش سے کہا:

"آج میں وعظ و نصیحت کرنے کی اجازت چاہتا ہوں۔"

دکان دار نے اسے قبول کیا۔ چنانچہ اُس مردِ مومن نے اپنی گفتگو کا آغاز یوں کیا:

لوگو! میں فلاں ابنِ فلاں ہوں۔ میں حقوق الناس کے معاملے میں سخت خوف زدہ رہتا ہوں۔ میرے دل میں دنیا کی محبت نہیں ہے اور میں قناعت کرنے والا آدمی ہوں۔ مجھے دنیا کے جھمیلوں سے کوئی دلچسپی نہیں۔ لیکن یہ ساری اچھی صفتیں دراصل ایک انتہائی ہولناک واقعہ کی وجہ سے مجھ میں پیدا ہوئی ہیں۔ جو واقعہ میرے ساتھ پیش آیا میں چاہتا ہوں کہ آج وہ آپ لوگوں کو بھی سُنا دوں تاکہ آپ سب عذابِ الٰہی اور آتشِ جہنم کی سختی سے ڈریں۔ میں روزِ قیامت کی سختیوں کے بعض احوال کا آپ کے سامنے تذکرہ کرنا چاہتا ہوں۔ غور سے سُنیے:

ایک مرتبہ مجھے قرض لینے کی ضرورت پڑی۔ میں نے ایک یہودی سے دس قران اس شرط کے ساتھ لے لیے کہ آدھا قران یومیہ کے حساب سے بیس دن میں لوٹا دوں گا۔ دس دن تک تو میں اسے آدھا آدھا قران دیتا رہا لیکن اس کے بعد وہ مجھے نہیں ملا۔ میں نے اس کے بارے میں پوچھا تو پتہ چلا وہ بغداد چھوڑ کر جاچکا ہے۔

کچھ دنوں کے بعد ایک رات میں نے خواب دیکھا کہ قیامت برپا ہو چکی ہے۔ اور گویا مجھے اور دوسرے لوگوں کو حساب و کتاب کے لیے جمع کیا گیا ہے میں نے اللہ کے فضل و کرم سے اس منزل کو کامیابی کے ساتھ طے کر لیا ہے اور جنتیوں کے ساتھ شامل ہو کر جنت میں جا رہا تھا۔ جب میں پل صراط سے گزرنے لگا تو وہاں میں آتشِ جہنم کے آثار دیکھے! اور اس کے ساتھ ہی میں نے اسی یہودی قرض دینے والے کو بھی دیکھا۔ وہ آگ کے شعلے کی مانند جہنم سے نکلا اور میرا راستہ روک لیا! کہنے لگا:

"مجھے میرے پانچ قران لوٹا دو اس کے بعد چلے جانا۔"

یہ سُن کر میری آنکھوں میں آنسو آگئے۔ میں نے کہا:

"قرض واپس دینے کے لیے تمھیں تلاش کیا لیکن تم مجھے نہ مل سکے۔"

اُس نے کہا:

"میں اپنا قرض لیے بغیر تمھیں یہاں سے آگے نہیں جانے دوں گا۔"

میں نے کہا:

"یہاں تو میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔"

میری اس بات پر وہ کہنے لگا:

"تو پھر تم مجھے اپنی ایک اُنگلی اپنے بدن پر رکھنے دو!"

میں نے اس کی یہ بات مان لی۔ اُس نے اپنی ایک اُنگلی میرے سینے پر رکھی۔ اس کی گرمی اور جلن کی وجہ سے میرے منہ سے زوردار چیخ نکلی اور میں نیند سے بیدار ہو گیا۔ میں نے دیکھا کہ جس جگہ اُس نے اُنگلی رکھی تھی وہاں

زخم ہے! میرے سینے کا وہ حصّہ آج بھی زخمی ہے۔ علاج کرانے کے باوجود یہ اچھا نہیں ہوا ــــــ!

اتنا کہنے کے بعد نصیحت کرنے والے کو خاص طور پر نصیحت کرتے ہوئے اُس مردِ مومن نے اپنا سینہ کھول کر وہ زخم لوگوں کو دکھایا۔ یہ منظر دیکھ کر لوگوں کی آہیں بلند ہوگئیں اور وہ زار و قطار رونے لگے۔ عطر فروش بھی عذاب سے سخت خائف ہوا۔ پھر وہ ہندوستانی شہزادے کو اپنے ساتھ گھر لے گیا، اس کی امانت واپس لوٹا دی اور ساتھ ہی شہزادے سے معافی بھی طلب کی۔

ــــــ ☼ ــــــ

حُرؓ کا جسم اور امام حسینؑ کا رومال

محدث جزائری کتاب "انوار نعمانیہ" میں لکھتے ہیں:

شاہ اسمٰعیل صفوی جب کربلا معلّٰی پہنچا تو وہاں اسے معلوم ہوا کہ بعض لوگ حضرت حُرؓ کے بارے میں اچھی رائے نہیں رکھتے ہیں اور ان پر طعنہ زنی کرتے ہیں۔ چنانچہ صفوی بادشاہ نے حکم دیا کہ حُرؓ کی قبر کو کھولا جائے۔ جب اس شہید کی قبر کو کھول کر دیکھا گیا تو پتہ چلا کہ ان کی لاش ایسی ہے جیسے ابھی شہید ہوئے ہوں اور ان کا جسم اتنا عرصہ گزر جانے کے باوجود ذرہ برابر بھی متغیر نہیں ہوا ہے۔

کیونکہ تاریخ کربلا میں لکھا ہے کہ سیّد الشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنا رومال حُرؓ کے سر پر باندھا تھا لہٰذا شاہ صفوی نے حکم دیا کہ یہ رومال نکال لیا جائے۔

دراصل شاہ یہ رومال اپنے کفن میں رکھنے کے لیے حاصل کرنا چاہتا تھا۔ لیکن جب رومال کھولا گیا تو زخم سے تازہ خون بہنے لگا! پھر جب دوبارہ اسی رومال سے زخم کو باندھا گیا تو خون بہنا بند ہوگیا۔

یہ رومال حاصل کرنے کی خاطر اس کی جگہ جب دوسرا رومال باندھا گیا تو اس سے خون بہنا بند نہیں ہوسکا! آخر کار مجبوراً حُرؓ کے سر پر امام حسینؑ

کا وہی رومال باندھ دیا گیا۔

یہ صورتِ حال دیکھ کر لوگوں کو حضرت حُرؑ کے بہترین مقام و مرتبے کا علم ہوا اور ساری غلط فہمیاں دُور ہو گئیں۔

اس واقعہ کے بعد شاہ اسمٰعیل صفوی نے حُرؑ کی قبر پر روضہ تعمیر کرایا اور وہاں خدّام مقرر کر دیے۔

قبر سے آگ کے شعلے

مرحوم شیخ محمود عراقی، کتاب "دار السلام" میں قابلِ اعتماد افراد کے حوالے سے رقم فرماتے ہیں کہ:

ایک مرتبہ ہم تہران کے قبرستان "امام زادہ حسن" گئے۔ مغرب کا وقت ہونے ہی والا تھا۔ ہمارا ایک ساتھی قبر میں نصب ایک پتھر پر بیٹھا ہوا تھا کہ یک بیک اس نے چیخنا چلّانا شروع کر دیا کہ:

"مجھے اٹھاؤ!"

جب ہم اسے اٹھانے کے لیے قریب گئے تو ہم نے دیکھا کہ قبر کا پتّھر آگ کی مانند گرم ہو رہا تھا۔

اس مُردے کو معلوم نہیں کتنا عذاب ہو رہا تھا کہ اس کی قبر کا پتّھر تک گرم ہو چکا تھا!

اس واقعے کو بیان کرنے والے فرماتے ہیں کہ میں صاحبِ قبر کو پہچانتا ہوں۔ البتہ ذلّت و رسوائی کی وجہ سے اس کا نام لینا نہیں چاہتا۔

اسی طرح ایک اور شخص کے بارے میں بھی لوگ بیان کرتے ہیں کہ جب اسے قم میں دفن کیا گیا تو اس کی قبر سے آگ کے شعلے بلند ہوئے۔

اور ان شعلوں کی وجہ سے مقبرے کے اطراف میں موجود تمام دریاں اور قالین وغیرہ جل گئے۔

ایک جنازہ جو یمن سے نجف لایا گیا

کتاب "مدینۃ المعاجز" میں ہے کہ ایک دن امام المتقین حضرت علی علیہ السلام اپنے چند اصحاب کے ساتھ دروازۂ کوفہ سے ٹیک لگائے ہوئے بیٹھے تھے۔ آپؑ نے فرمایا:

"جو کچھ میں دیکھ رہا ہوں کیا تم بھی وہ دیکھ رہے ہو؟"

اصحاب نے جواب دیا:

"نہیں اے امیر المومنینؑ۔"

حضرت علیؑ نے فرمایا:

"میں دیکھ رہا ہوں کہ دو آدمی ایک شخص کا جنازہ اونٹ پر لا رہے ہیں۔ تین دن کے اندر وہ یہاں پہنچیں گے۔"

پھر تیسرے دن امام علیہ السلام کے ساتھ ان کے اصحاب انتظار میں بیٹھ گئے تاکہ دیکھیں کیا واقعہ پیش آتا ہے۔ انھیں دُور سے ایک اُونٹ دکھائی دیا۔ پھر انھوں نے دیکھا کہ اس اُونٹ کی پشت پر جنازہ ہے اور ایک شخص اس کی مہار تھامے ہوئے آگے آگے چل رہا ہے جب کہ دوسرا پیچھے پیچھے آرہا ہے۔ جب یہ لوگ قریب آئے تو حضرت علیؑ نے ان سے پوچھا:

"یہ کس کا جنازہ ہے اور تم لوگ کہاں سے آرہے ہو ؟

انھوں نے جواب دیا :

"ہم یمن کے رہنے والے ہیں اور یہ ہمارے والد کا جنازہ ہے۔ ہمارے والد نے ہمیں وصیت کی تھی کہ میرا جنازہ عراق لے جاکر کوفہ کے قریب نجف میں دفن کر دینا۔"

امام علیہ السلام نے دریافت فرمایا :

"کیا تم لوگوں نے اپنے والد سے اس وصیت کا سبب بھی پوچھا تھا ؟"

انھوں نے بتایا :

"ہاں ! ہمارے والد نے کہا تھا کہ اس مقام پر ایک ایسا شخص دفن ہوگا کہ اگر وہ چاہے تو تمام اہلِ محشر کی شفاعت کر سکتا ہے۔"

حضرت علیؑ نے فرمایا :

"تمھارے والد نے بالکل درست کہا ہے۔"

اس کے بعد آپؑ نے دو مرتبہ فرمایا :

"خدا کی قسم میں وہی شخص ہوں۔ خدا کی قسم میں وہی شخص ہوں۔"

ٹڈیوں کو پناہ دینے والا

روضۂ حضرت امیر المومنین علیہ السلام میں پناہ حاصل کرنے والے کو لازمی طور پر فوائد حاصل ہوں گے۔ اس بات کو ثابت کرنے کے لیے محدث شیخ عباس قمیؒ نے کتاب "مفاتیح الجنان" میں عربی کی بڑی اچھی ضرب المثل تحریر کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ عربوں میں مشہور ہے :

"اَحْمیٰ مِنْ مُجِیْرِ الْجَرَادِ۔"

یعنی : "فلاں شخص ٹڈیوں کو پناہ دینے والے سے بھی زیادہ محافظ ہے۔"

اس ضرب المثل کے بارے میں واقعہ کچھ یوں بیان کیا گیا ہے :

قبیلۂ طیّ سے تعلق رکھنے والا مدلج ابن سوید نامی ایک شخص تھا۔ ایک مرتبہ اس کے خیمے میں قبیلہ طیّ کے کچھ لوگ ہاتھوں میں تھیلے اور برتن لے کر گھس آئے۔ اُس نے پوچھا :

"کیا بات ہے ؟"

کہنے لگے :

"بہت سی ٹڈیاں تمھارے خیمے کے اردگرد جمع ہو کر یہاں آگئی ہیں۔ ہم انھیں پکڑنا چاہتے ہیں۔"

مدلج نے جونہی یہ سُنا فوراً اُٹھا اور ہاتھ میں نیزہ لے کر گھوڑے پر سوار ہوگیا اور باآوازِ بلند کہا:

"خدا کی قسم! اگر کسی نے بھی ان ٹڈیوں کو چھیڑا اور پکڑنے کی کوشش کی تو میں اسے جان سے مار دوں گا! یہ ٹڈیاں میرے گھر اور میری پناہ میں ہیں، تم انھیں کیسے لے جاسکتے ہو۔ ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا۔"

مدلج ان ٹڈیوں کی مسلسل حمایت اور محافظت کرتا رہا۔ یہاں تک کہ سورج کی گرم شعاعیں ان ٹڈیوں پر پڑنے لگیں۔ پھر گرمی اور روشنی پاکر وہ ٹڈیاں اُڑ کر اس کے خیمے سے دُور چلی گئیں۔ ان کے اُڑ جانے کے بعد اس نے ٹڈیاں پکڑنے والوں سے کہا:

"یہ ٹڈیاں اب میری پناہ سے نکل گئی ہیں۔ اب ان کے ساتھ جو تم کرنا چاہتے ہو کرسکتے ہو۔"

اس ضرب المثل کو بیان کرنے سے واضح ہوجاتا ہے جب ایک عام آدمی اپنے ہاں آنے والی ٹڈیوں کی اس طرح حفاظت و حمایت کرسکتا ہے تو جو حرم حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام میں پناہ حاصل کرلے یقیناً وہ امامؑ کی حمایت سے فیضیاب ہوگا۔

برزخ کا جہنم برہوت

ایک دن حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بزم میں ایک شخص حیرانی و پریشانی کے عالم میں آکر کہنے لگا کہ میں نے عجیب و غریب منظر دیکھا ہے۔ آنحضرتؐ نے دریافت فرمایا:

"تم نے کیا دیکھا ہے؟"

اُس نے بتایا:

میری بیوی سخت بیمار پڑ گئی تھی۔ وہ مجھ سے کہنے لگی: وادی برہوت کے کنوئیں سے پانی لے آؤ۔ میرا مرض دور ہوجائے گا۔ (کیونکہ بعض جلدی امراض کنوئیں کے پانی سے دور ہوجاتے ہیں۔ غالباً اسی لیے بیوی نے اس کی خواہش کی تھی) چنانچہ وہ شخص بیان کرتا ہے کہ:

میں ہاتھ میں مشک اور ڈول لے کر پانی لینے اس مقام کی طرف چل پڑا۔ میں نے دیکھا کہ ایک خوفناک صحرا ہے۔ ڈرا تو بہت لیکن پھر بھی میں نے پوری قوتِ برداشت سے کام لیتے ہوئے کنوئیں کی تلاش کا سلسلہ جاری رکھا۔ جیسے ہی میں کنوئیں پر پہنچا اچانک اوپر سے کسی زنجیر کی آواز نیچے کی طرف آئی میں نے دیکھا کہ ایک شخص ہے جو کہہ رہا ہے۔ مجھے پانی پلا دو، ورنہ میں مرجاؤں گا

میں نے سر اُٹھا کر پانی کا ڈول اس کی طرف آگے بڑھاتے ہوئے دیکھا تو پتہ چلا کہ اُس کی گردن زنجیروں میں جکڑی ہوئی ہے۔ میرے پانی پہنچانے سے پہلے اُس شخص کو اوپر کی طرف اٹھا لیا گیا یہاں تک کہ وہ سورج کے بالکل قریب پہنچ گیا۔

ابھی میں ڈول کا پانی مشک میں واپس ڈالنا ہی چاہ رہا تھا کہ دیکھا وہ شخص دوسری مرتبہ نیچے آیا اور "پانی پانی" کہہ کر پیاس کا اظہار کرنے لگا۔ میں نے چاہا کہ پانی کا ڈول اسے دے دوں لیکن اسی اثنا میں اسے پھر اوپر کھینچ لیا گیا۔ تین مرتبہ ایسا ہی ہوا۔ میں نے جلدی جلدی اپنی مشک کے سرے کو باندھا اور اسے پانی دیے بغیر ہی واپس لوٹ آیا۔ میں تو بہت زیادہ خائف ہوں۔ آپؐ کے پاس اس لیے آیا ہوں تاکہ یہ جان سکوں کہ اس واقعہ کی حقیقت کیا ہے؟

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"یہ بدبخت وہی قابیل ہے جس نے اپنے بھائی ہابیل کو قتل کر دیا تھا۔ اس جگہ قیامت تک اسے اِسی طرح سزا دی جائے گی اور جب قیامت برپا ہوگی تو اسے جہنم کے واقعی عذاب میں مبتلا کر دیا جائے گا!"

ابنِ مُلجَم پر عذابِ برزخ

کتاب "نور الابصار" میں سید مومن شبلنجی شافعی نے ابو القاسم ابن محمد سے کچھ اس طرح روایت کی ہے:

راوی ابو القاسم کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے مسجد الحرام کے اندر مقام ابراہیمؑ میں لوگوں کے ایک گروہ کو دیکھا کہ وہ سب دائرے کی صورت میں جمع ہیں۔ میں نے پوچھا کیا معاملہ ہے۔

لوگوں نے کہا ایک راہب اسلام قبول کر کے مکہ آیا ہوا ہے اور بڑی عجیب و غریب بات بتا رہا ہے۔

قریب پہنچ کر میں نے دیکھا کہ ایک بزرگوار اونی لباس زیب تن کیے ہوئے اور بڑی سی اونی ٹوپی پہنے بیٹھے ہیں اور لوگوں کو بتا رہے ہیں:

میرا صومعہ (عبادت کرنے کی جگہ) دریا کے کنارے واقع تھا۔ ایک دن میں نے دریا کی جانب نگاہ کی تو مجھے انتہائی حیرت انگیز منظر نظر آیا۔ میں نے گدھ کے مانند ایک بڑے سے پرندے کو دیکھا کہ وہ اوپر سے نیچے کی جانب آکر ایک پتھر پر بیٹھ گیا۔ بیٹھنے کے بعد اس پرندے نے ایک آدمی کے چوتھائی حصے کو منہ سے اُگل دیا! پھر وہ پرندہ اُڑ گیا اور تھوڑی ہی دیر دوبارہ آکر اُس

نے اس آدمی کا مزید ایک چوتھائی حصہ اُگل دیا۔ اسی طرح پرندے نے چار مرتبہ میں آدمی کے مکمّل اعضا کو جب اُگل دیا تو تمام حصّے آپس میں جُڑ گئے اور وہ شخص کھڑا ہو گیا۔

مجھے یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی۔ پھر میں نے دیکھا کہ وہی پرندہ دوبارہ آیا اور اُس شخص کے ایک چوتھائی حصّے کو نگل کر اُڑ گیا۔ پھر اسی طرح اس پرندے نے چار مرتبہ میں ایک ایک چوتھائی کر کے مکمّل طور پر اس آدمی کو نگل لیا!

یہ دیکھ کر میری حیرت مزید بڑھی! میں سوچنے لگا کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ آخر یہ آدمی کون ہو سکتا ہے۔ مجھے اپنے آپ پر بھی افسوس ہوا کہ آخر میں نے اس شخص سے کیوں نہیں پوچھا کہ تم کون ہو؟

دوسرے دن میں نے پھر وہی منظر دیکھا۔ پرندہ آیا۔ اس نے پتھر پر بیٹھ کر ایک چوتھائی آدمی کو اُگلا۔ واپس گیا اور پھر اسی طرح چار مرحلوں میں اس نے مکمّل آدمی اُگل دیا۔

اعضا کے مکمّل ہوتے ہی جب وہ آدمی کھڑا ہوا تو میں اپنے صومعہ سے دوڑ کر اس کے قریب گیا اور خدا کی قسم دے کر پوچھا:

"بتاؤ تم کون ہو؟"

اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ پھر میں نے کہا:

"تجھے اپنے خالق کی قسم! بتا تو سہی کہ تُو کون ہے؟"

وہ کہنے لگا:

"میں ابنِ ملجم ہوں!"

میں نے پوچھا:

"تمھارا اس پرندے کے ساتھ کیا معاملہ ہے؟"

اس نے بتایا:

"میں علیؑ ابنِ ابی طالب کا قاتل ہوں! خداوندِ عالم نے مجھ پر اس پرندے کو مسلّط کر دیا ہے۔ یہ پرندہ روزانہ مجھے اسی طرح سزا دیتا رہتا ہے!"

راہب لوگوں سے بیان کرتا ہے کہ یہ سُن کر میں اپنی عبادت گاہ سے باہر آیا۔ میں نے معلوم کیا کہ علیؑ ابنِ ابی طالبؑ کون ہیں؟ مجھے معلوم ہوا کہ وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے چچازاد بھائی اور ان کے جانشین تھے۔

یہ سُن کر میں نے اسلام قبول کر لیا۔ اور اب میں حج بیت اللہ اور روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی زیارت کا شرف حاصل کرنے حاضر ہوا ہوں۔

چار پرندوں کو دوبارہ زندہ کرنا

قرآن مجید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حوالے سے یہ واقعہ آیا ہے کہ انھوں نے ایک مرتبہ پروردگارِ عالم کی بارگاہ میں عرض کی:

خداوندا! مجھے دکھادے کہ تو کس طرح مُردوں کو زندہ کرتا ہے؟ تاکہ اس طرح میں مزید اطمینانِ قلب حاصل کرسکوں!

حکم ہوا:

اے ابراہیمؑ! چار پرندے (کوّا، مُرغا، کبوتر اور مور) لے کر مار ڈالو اور ان کے جسم کے باریک باریک حصّے کردو۔ پھر انھیں پہاڑوں پر رکھ کر آواز دو۔ یہ پرندے تیزی سے تمھاری طرف چلے آئیں گے۔

تفسیر میں ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے پرندوں کی چونچ اپنے ہاتھ میں لے کر ایک ایک پرندے کو بلایا۔ انھوں نے دیکھا کہ گوشت کے باریک باریک حصے ایک دوسرے سے جدا ہو ہو کر آپس میں ملے اور اپنی اپنی چونچ کی جانب تیزی سے آگئے۔

حضرت ابراہیمؑ نے مزید آزمائش کے لیے ایک پرندے کی چونچ دوسرے پرندے کے جسم سے جوڑنا چاہا لیکن ایسا نہ ہوسکا۔ آخرکار تمام

پرندوں کے جسم اپنی اپنی چونچ سے ہی جُڑے ــــــ!

اور ــــ

خداوندِ عالم نے چاروں پرندوں کو زندہ کردیا۔

آزادی کے بدلے غلامی

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام ایک دن بشر کے گھر کے قریب سے گزر رہے تھے۔ گانے بجانے کی آوازیں اس کے گھر سے بلند ہو رہی تھیں۔ اسی اثنا میں بشر کی کنیز کوڑا کرکٹ پھینکنے باہر نکلی۔ آپؑ نے اس سے پوچھا:

"یہ کس کا گھر ہے؟"

اس نے کہا:

"بشر کا۔"

امام علیہ السّلام نے دریافت فرمایا:

"وہ آزاد ہے یا غلام؟"

وہ کہنے لگی:

"میرے مالک کے کئی غلام اور کنیزیں ہیں۔ وہ بھلا کیوں کر غلام ہو سکتا ہے؟!"

آپؑ نے فرمایا:

"ہاں! اگر بندہ (غلام) ہوتا تو ایسا نہ ہوتا!"

یہ بات کہہ کر امامؑ روانہ ہو گئے۔

کنیز گھر میں داخل ہوئی تو بشر نے پوچھا:

"کس سے باتیں کر رہی تھی؟"

کنیز نے ساری رُوداد بیان کر دی۔ بشر فوراً سمجھ گیا کہ وہ کون تھے اور انھوں نے کیا کہا ہے!

بشر ایک مالدار اور صاحبِ حیثیت شخص تھے لیکن پھر بھی ننگے پاؤں دوڑتے ہوئے امام موسیٰ کاظم علیہ السّلام تک پہنچ گئے۔ خود کو قدموں میں گرا کر کہا:

"مولا! آزادی کے بدلے غلامی چاہتا ہوں۔" یعنی میں چاہتا ہوں کہ خدا کا اطاعت گزار بندہ بن جاؤں۔

اس طرح بشر نے امام موسیٰ کاظم علیہ السّلام کے سامنے سچی توبہ کر لی۔

برزخ کی حیرت انگیز آگ

سید غیاث الدین نجفی کا شمار بزرگ شیعہ علماء میں ہوتا ہے۔

ان کی کتاب "انوار المضیئہ" کے حوالے سے ثقۃ الاسلام نوری نے اپنی کتاب "مستدرک" میں یہ واقعہ تحریر فرمایا ہے:

ہمارا گاؤں "حلّہ" کے قریبی قریوں میں سے ایک ہے۔ ہماری مسجد کا متولی محمد ابن ابی اذینہ معمول کے مطابق روزانہ مسجد آیا کرتا تھا۔ ایک دن خلافِ معمول وہ نہیں آیا۔ میں نے اس کی خیریت پوچھی تو پتہ چلا کہ وہ بیمار پڑ کر بستر سے لگ گیا ہے۔ مجھے بڑی حیرت ہوئی کیونکہ ابھی کل رات تک وہ بالکل ٹھیک ٹھاک تھا۔ چنانچہ میں اسے دیکھنے چلا گیا۔

میں نے دیکھا کہ وہ سر سے پاؤں تک جلا ہوا ہے۔ کبھی ہوش میں آتا ہے اور کبھی اس پر بے ہوشی طاری ہو جاتی ہے۔ میں نے پوچھا:

"آخر یہ تمھیں کیا ہو گیا ہے؟!"

وہ بتانے لگا:

کل رات میں نے خواب میں پُل صراط دیکھا۔ مجھے حکم ہوا کہ اس سے گزروں۔ شروع شروع تو میرے پاؤں اچھی طرح اس پر جمے رہے

اور میں آرام سے راستہ طے کرتا رہا۔ لیکن پھر میں نے دیکھا کہ راستہ تنگ اور باریک ہوتا چلا جا رہا ہے۔ پہلے تو یہ راستہ بڑا اچھا اور نرم تھا لیکن پھر مشکل اور کاٹ کر رکھ دینے والا ہو گیا۔ میں بہت آہستہ آہستہ، سنبھل سنبھل کر چلنے لگا۔ مجھے اپنے گر پڑنے کا ڈر تھا۔ کیونکہ نیچے آگ کے سیاہ شعلے بھڑک رہے تھے اور لوگ اس میں خزاں کے پتّوں کی مانند ٹوٹ ٹوٹ کر چاروں طرف سے گر رہے تھے۔ پھر مجھے ایسا محسوس ہوا کہ میرے پاؤں کے نیچے بال کے برابر باریک چیز رہ گئی ہے۔ اتنے میں اچانک مجھے آگ کے شعلوں نے اپنی لپیٹ میں لے لیا اور میں اس کھائی میں گر پڑا۔ میں جتنا بھی ہاتھ پاؤں مارتا تھا اندر ہی ہوتا چلا جا رہا تھا۔

(ایسا اس لیے ہو رہا تھا کہ جہنّم کی آگ میں کشش پائی جاتی ہے اور روایت میں ہے کہ ستّر سال کا راستہ طے کرنے کے بعد کوئی چیز اُس کی تہہ تک پہنچتی ہے)

مسجد کے متولی محمد ابنِ اذینہ کہتے ہیں کہ جب میں آگ کے اندر گر کر دھنسنے لگا تو فوراً میرے دل میں خیال آیا کہ جب کبھی بھی میں گرتا تھا "یا علیؑ" کہا کرتا تھا لہٰذا اس وقت بھی کہنا چاہیئے۔ میں نے کہا:

"اَغِثْنِیْ یَا مَوْلَایَ یَا اَمِیْرَالْمُؤْمِنِیْنَؑ"

(یعنی: اے میرے مولا و آقا امیر المومنین علی علیہ السلام میری مدد کیجیے)

میرے دل میں فوراً یہ خیال آیا کہ جیسے کوئی کہہ رہا ہے: "اوپر دیکھو!"

میں نے نظر اُٹھا کر اوپر دیکھا تو میرے مولا علیؑ پُل صراط کے کنارے کھڑے ہوئے نظر آئے! آپؑ نے اپنا ہاتھ بڑھا کر مجھے کمر سے پکڑ کر باہر نکال لیا۔

میں نے کہا :

" مولا ! میں جل گیا ہوں میری مدد کیجیے ! "

آپؑ نے گھٹنوں سے ران کے آخر تک اپنا دستِ مبارک پھیر دیا۔

اِتنے میں میری آنکھ کھُل گئی ۔ میں نے دیکھا کہ جہاں پر علی علیہ السّلام نے اپنا ہاتھ پھیرا تھا وہاں پر کسی قسم کی کوئی تکلیف نہیں تھی ۔ البتہ میرے جسم کے باقی حصّوں میں سوزش ہو رہی ہے !

وہ شخص بستر پر پڑا رہا ۔ کرب و اضطراب کے عالم میں روتا رہا جسم پر مرہم لگایا جاتا تھا ۔ ڈاکٹر تبدیل کیے جاتے تھے ۔ یہاں تک کہ تین ماہ بعد اس کے جسم پر نئی کھال آئی اور پھر وہ اچھا ہو گیا ۔

اسی کتاب "مستدرک" میں لکھا ہے کہ پھر جب کبھی بھی وہ مسجد کا متولی یہ واقعہ بیان کرتا تھا تو کئی دن تک خوف کے باعث اس پر لرزہ طاری رہتا تھا اور وہ بخار میں مبتلا ہو جاتا تھا !

دینی طالب علم طبیب بن گیا

اس دنیا میں بھی شفاعت ہو سکتی ہے ۔ الحاج مرزا آخلیل کا واقعہ کچھ ایسا ہی ہے ۔ یہ واقعہ کوئی بہت پرانا نہیں ہے بلکہ آج بھی بعض بزرگ ایسے ہیں جنھیں یہ اچھی طرح یاد ہو گا ۔

مرزا آخلیل شروع شروع قم کے ایک مدرسے "دار الشفا" میں تعلیم حاصل کیا کرتے تھے ۔ ایک دن وہ مدرسے کے کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک ضعیفہ پریشانی کی حالت میں آئی اور کہنے لگی :

" میری مالکن کے دل میں شدید درد اٹھا ہے ۔ اگر تم کوئی دوا جانتے ہو تو بتا دو ؟ "

مرزا آخلیل علمِ طب سے کوئی سروکار نہیں رکھتے تھے ۔ لیکن فوراً زبان پر آ گیا :

" فلاں دوا دے دو ! "

دوسرے ہی دن انواع و اقسام کے کھانوں سے سجی ہوئی کشتی مرزا کے پاس لائی گئی ۔ اس لیے کہ ان کے نسخے سے مریضہ صحت یاب ہو گئی تھی ۔ اور اب اس علاج کرنے کا حق اس طرح ادا کیا جا رہا تھا ۔

پھر یہ خبر تمام پڑوسیوں میں پھیل گئی کہ مدرسہ "دارالشفا" میں ایک بہت اچھا طبیب بھی زیرِ تعلیم ہے۔ یہ طبیب ایک ہی نسخہ لکھ کر علاج کر دیتا ہے!

آہستہ آہستہ حاجی خلیل کے پاس علاج کے سلسلے میں آنے والے لوگوں کا تانتا بندھ گیا۔ جب انھوں نے یہ صورتِ حال دیکھی تو علمِ طب کے موضوع پر تحریر کردہ کتاب "تحفۂ حکیم مومن" خرید کر باقاعدہ اس پر عبور حاصل کرنے کے بعد طبابت کرنے لگے۔ اس شعبے میں وہ اتنے کامیاب ہوئے کہ لوگ انھیں تہران لے گئے۔

تہران پہنچنے کے بعد انھوں نے کربلائے معلّی جانے کا ارادہ کیا۔ البتہ وہ سفرِ زیارت کرنے کے سلسلے میں عجلت سے کام لینا نہیں چاہتے تھے۔ اسی دوران ایک رات انھوں نے خواب دیکھا کہ کوئی شخص کہہ رہا ہے:

"اگر کربلا جانا ہے تو ابھی چلے جاؤ ورنہ دو ماہ بعد حکومت کی طرف سے پابندی عائد کر دی جائے گی!"

حاجی مرزا خلیل دو ماہ کی مدّت گزرنے سے پہلے ہی کربلا روانہ ہو گئے۔ وہاں پہنچنے کے بعد انھیں یقین ہو گیا کہ خواب بالکل سچّا تھا کیونکہ اب ایران سے یہاں آنے پر پابندی لگا دی گئی تھی۔ معمول کے مطابق وہ کربلا میں بھی لوگوں کا علاج کرنے لگے۔

ایک دن ان کے پاس دو۲ خواتین آئیں۔ ان میں سے ایک نے اپنا ہاتھ دکھایا۔ مرزا خلیل نے دیکھا کہ زخم کی حالت بہت خراب ہے۔ چنانچہ جواب دیا:

"انھیں جذام کی بیماری ہے۔ زخم ہڈیوں تک سرایت کر چکا۔ اس کا

علاج نہیں ہو سکتا۔"

آنے والی دونوں خواتین کو صدمہ پہنچا اور وہ واپس جانے لگیں۔ کچھ دور جانے کے بعد ایک خاتون واپس آئی۔ یہ دراصل اس مریضہ کی خادمہ تھی۔ اُس نے آکر کہا:

"حاجی صاحب! آپ نے اس خاتون کو پہچانا؟"

انھوں نے جواب دیا:

"نہیں ــــــ!"

اُس نے بتایا:

"یہ مریضہ حضرت علیؑ کی نسل سے ہیں۔ ہندوستان کے شاہی خاندان سے تعلق رکھتی ہیں۔ امام حسین علیہ السلام کی زیارت کا شوق انھیں یہاں کھینچ لایا ہے۔ اپنے تمام مال و اسباب کے ساتھ وہ یہاں آئی تھیں اور اب بالکل تنگ دست ہو چکی ہیں۔ کچھ عرصے سے یہ مرض انھیں لگ گیا ہے اور اب آپ نے بھی ان کو علاج سے مایوس کر دیا!"

یہ سُن کر حاجی خلیل نے کہا:

"انھیں جلدی واپس بلا لاؤ!"

واپس آئیں تو ان سے کہا:

"بی بی! مرض تو بہت شدید ہے لیکن پھر بھی میں علاج کرتا ہوں، امید ہے اللہ تعالیٰ شفا عطا فرمائے گا۔"

چھ ماہ علاج کے بعد اس سیدانی کے ہاتھ کا زخم اچھا ہو گیا چنانچہ وہ حاجی خلیل کی اتنی معتقد ہو گئیں کہ انھیں کے گھر رہنے لگیں۔ وہ ہمیشہ ماں کی طرح حاجی پر مہربان رہتی تھیں۔

کچھ دنوں بعد مرزا خلیل نے خواب میں اُسی شخص کو دیکھا جو تہران میں دکھائی دیا تھا۔ وہ کہنے لگا:

"تم بیمار پڑو گے اور دس دن بعد مر جاؤ گے!"

حاجی مرزا خلیل نے وصیتیں کیں۔ چند ہی دنوں بعد بیمار ہوئے، اور مرض بڑھتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ دسویں دن نزع کی کیفیت طاری ہو گئی اتنے میں وہی سیدانی کمرے میں داخل ہوئیں اور حاجی کی حالت دیکھ کر بے انتہا مضطرب ہو گئیں۔ یہ کہتی ہوئی گھر سے نکلیں کہ جب تک میں واپس نہ آ جاؤں انھیں کچھ نہ کرنا!

وہ سیدانی سیدھی روضۂ حسینؑ پر پہنچیں۔ ضریح کی جالیوں کو ہاتھوں سے تھاما اور کہا:

"اے جدِ بزرگوارؑ! میں حاجی خلیل کو تم سے چاہتی ہوں۔ خدا سے انھیں دوبارہ زندگی دلوایئے۔"

یہ کہتے ہوئے اتنا روئیں کہ غش آ گیا۔ اسی حالت میں دیکھا کہ مولا حسینؑ آ کر کہہ رہے ہیں:

"(میری بیٹی) تجھے کیا ہو گیا ہے۔ حاجی خلیل کی زندگی کے دن پورے ہو گئے ہیں اور اب ان کی موت سر پر آ پہنچی ہے!"

سیدانی نے کہا:

"یہ سب باتیں میری سمجھ میں نہیں آتیں، میں تو حاجی کو تم سے مانگتی ہوں ــــــ!"

امامؑ نے فرمایا:

"بہر حال! میں دعا کرتا ہوں۔ اگر خدا کو منظور رہا تو اس کو واپس

لوٹا دیا جائے گا۔"

ابھی تھوڑی دیر بھی نہیں گزری تھی کہ امام علیہ السّلام نے مسکرا کر فرمایا:

"خداوندِ متعال نے میری دعا قبول کر لی ہے۔ حاجی خلیل کو دوبارہ زندگی عطا کر دی گئی! بلکہ ان کی موجودہ عمر سے دُگنی عمر مرحمت ہوئی ہے۔"

اس کے بعد یہ سیدانی گھر آئیں۔ دیکھا حاجی مرزا خلیل بالکل صحیح و سالم بیٹھے ہوئے ہیں اور انھیں دیکھتے ہی کہا:

"اے سیدانی! خدا آپ کو جزائے خیر دے!"

جس وقت یہ واقعہ پیش آیا مرزا خلیل تیس سال کے تھے۔ اس کے بعد مزید ساٹھ سال زندہ رہے اور نوّے برس کی عمر میں ان کا انتقال ہوا۔ پروردگارِ عالم نے انھیں چار بیٹے عطا فرمائے۔ ان میں سے ایک حاجی مرزا حسین دنیائے تشیّع کے مرجع تقلید بنے اور ایک بیٹا بڑا طبیب بنا۔

مرحوم حاجی مرزا خلیل نے اپنے بیٹوں کو جو وصیتیں کی تھیں ان میں خاص طور پر ایک یہ بھی تھی کہ علوی سادات کا ہر طرح احترام کرنا کیونکہ یہ خدا کے نزدیک بہت زیادہ قدر و منزلت رکھتے ہیں۔

مقصدِ خلقت سے ناآشنا عابد

بہت عرصہ ہوا ایک عبادت گزار شخص عبادت کرنے کے واسطے شہر سے دُور ایک جزیرے میں چلا گیا تاکہ وہاں شہر کے ہنگاموں اور شور شرابے سے دُور رہ کر خدا کی زیادہ سے زیادہ عبادت کر سکے۔

یہ جزیرہ انتہائی سرسبز و شاداب اور پھل دار درختوں سے گھِرا ہوا تھا اور انھیں درختوں کے پھلوں سے اس کی غذائی ضرورت پوری ہوا کرتی تھی۔

پھر یوں ہوا کہ کسی فرشتے نے اس عابد کو دیکھا کہ وہ برسوں سے اس جگہ عبادت میں مشغول ہے لیکن اس کا ثواب انتہائی کم ہے تو اُسے بہت تعجب ہوا! کیوں کہ اتنی بہت سی عبادتیں کرنے والے کو تو خدا کا خاص ولی بن جانا چاہیے تھا۔ فرشتے نے سوچا کہ آخر کیا وجہ ہے کہ یہ اتنی عبادت کے باوجود کسی بلند مقام تک نہیں پہنچ سکا؟!

یہ سوچنے کے بعد فرشتے نے بارگاہِ خداوندی میں عرض کیا:

"پروردگارا! اتنے سالوں کی عبادت اور دنیا سے دُوری کے باوجود تیرا یہ عبادت گزار بندہ کسی بلند مقام تک کیوں نہیں پہنچ سکا؟!"

حکم ہوا:

"جا کر اُس کا امتحان لو، معلوم ہو جائے گا۔"

فرشتہ انسانی صورت میں عابد کے پاس آیا۔ کچھ دیر کے بعد عابد نے پوچھا:

"آپ کون ہیں ــــــ؟"

فرشتے نے کہا:

"خدا کا ایک بندہ ہوں، یہاں سے گزر رہا تھا آپ کو ذکرِ الٰہی اور عبادت میں مشغول دیکھ کر میں نے چاہا کہ کچھ دیر آپ کے ساتھ اس میں شامل ہو جاؤں۔ بتائیے آپ کا کیا حال ہے اور یہاں زندگی کیسی گزر رہی ہے؟"

عابد نے کہا:

"اس جزیرے کو خداوندِ عالم نے بے پناہ نعمتوں سے مالا مال کیا ہے یہ ہمیشہ ہرا بھرا رہتا ہے۔ طرح طرح کے پھل کافی مقدار میں یہاں موجود ہیں لیکن افسوس کہ یہاں کوئی گدھا نہیں ہے جو اس ہری بھری گھاس کو کھائے! بہت دکھ ہوتا ہے جب یہ ہریالی سوکھ کر ختم ہو جاتی ہے۔"

عابد کا یہ جواب سُن کر فرشتہ سمجھ گیا کہ کہاں پر خامی ہے۔ وہ جان گیا کہ اصل میں خدا کا یہ بندہ فکری لحاظ سے کمزور ہے۔ عظمتِ خداوندِ متعال کو اچھی طرح نہیں سمجھ سکتا۔ وہ اللہ تعالیٰ کے مقصدِ خلقت سے ناآشنا ہے اور دو کوڑی کے برابر بھی عقل نہیں رکھتا اور اللہ تعالیٰ کی خلقت اور اس کی حکمت و مصلحت پر اعتراض کرتا ہے! اسے اتنا بھی نہیں معلوم کہ خداوندِ عالم کو جہاں کہیں بھی لطف و کرم کرنے کی ضرورت ہوتی ہے وہاں اپنا لطف فرماتا ہے پس اگر کسی جگہ کو سرسبز و شاداب رکھنے میں مصلحت ہو تو اسے سرسبز و شاداب کر دیتا ہے نہ یہ کہ اس کا کوئی ایسا دستور ہے کہ جہاں گدھا ہو گا وہیں سبزہ اگائے گا ورنہ نہیں اگائے گا۔

حدیثِ رسولؐ کا مذاق اُڑانے والا

امام زین العابدین علیہ السلام ایک دن لوگوں کے درمیان تشریف فرما تھے چنانچہ آپؑ سے حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سننے کی فرمائش کی گئی۔
امام علیہ السلام جانتے تھے کہ یہاں منافقین بھی موجود ہیں اور خاص طور پر ضمرہ بن ضرار بھی موجود ہے جس کا دل خضوع وخشوع اور ایمان سے خالی ہے۔

آپؑ نے سوچا کہ اگر میں خاموش رہتا ہوں اور کچھ نہیں کہتا تو لوگ کہیں گے کہ بُخل سے کام لے رہے ہیں اور کسی بات کو بیان کرنا نہیں چاہتے۔ اور اگر کہتا ہوں تو اس بات کا ڈر ہے کہ مذاق اڑائیں گے۔ لیکن بہرحال میں کہوں گا چنانچہ حضرت امام سید سجاد علیہ السلام نے حضورِ اکرم حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث بیان فرمائی کہ میرے جدؐ نے فرمایا ہے:

جب کوئی شخص مرجاتا ہے تو اس کی روح لاش کے اُوپر ہوتی ہے۔
(یعنی غسل دیتے وقت روح اس کے بدن کے اوپر ہوتی ہے اور تابوت کے اوپر بھی اس کی روح ہوتی ہے) وہ روح اپنے اہلِ خانہ سے کہتی ہے:

"اے میرے گھر والو! تم میری طرح دنیا کے دھوکے میں مت آنا۔ دیکھو تمھارے بدقسمت باپ دادا اس دنیا کے دھوکے میں آگئے۔ یہ دنیا سب کی جان

لے لے گی اور سب کو قبر کے تنگ وتاریک گڑھے میں لے جائے گی۔ دُنیا کی ہوا وہوس بالکل بے فائدہ ہے۔ دیکھو! میں نے حلال حرام ایک کرکے مال جمع کیا۔ اب یہاں مجھے تو اس کا حساب دینا ہوگا اور دوسرے میرے مال سے مزے اُڑائیں گے! تم لوگ دنیا کے لالچ میں مت پڑنا اور حرام سے دُوری اختیار کرنا۔"

امام علیہ السلام نے یہاں تک یہ حدیث بیان فرمائی تو ضمرہ مذاق اڑاتے ہوئے کہنے لگا:

"اگر میت کی رُوح بات کرتی ہے تو کیا ہی اچھا ہو کہ جو اسے اپنے کاندھوں پر اُٹھا کر لے جارہے ہیں اُن سے بھاگ کر واپس چلی آئے۔"

یہ سُن کر چوتھے امامؑ خاموش ہوگئے اور کم بخت ضمرہ اپنی جگہ سے اُٹھ کر چلا گیا۔

چند ہی روز گزرے تھے کہ ایک مرتبہ چوتھے امامؑ کے ایک صحابی ابوحمزہؒ ثمالی، امامؑ سے ملنے جارہے تھے۔ راستے میں انھیں کسی دوست نے بتایا کہ ضمرہ مرگیا ہے۔

ابوحمزہؒ کہتے ہیں میں نے سوچا چل کے دیکھوں کہ کیا ہوتا ہے۔ جب میں قبرستان پہنچا تو لوگ اُس کی میت کو قبر میں اُتار رہے تھے۔ میں نے سوچا بالکل قریب جاکے دیکھنا چاہیئے کہ اس کے ساتھ کیا ہوتا ہے۔ چنانچہ یہ کہہ کر کہ میں اسے قبر میں لِٹانا چاہتا ہوں خود قبر میں اُتر گیا۔

خدائے وحدہٗ لاشریک کی قسم میں نے دیکھا کہ ضمرہ کے ہونٹ ہلے اور وہ یہ کہہ رہا تھا:

"ویل لك ویل لك۔ افسوس ہو تجھ پر اے ضمرہ! افسوس ہو

تجھ پر اے ضمرہ! تُو نے دیکھ لیا جو کچھ امامؑ نے کہا تھا وہی ہوا!!"
یہ سُن کر مجھ پر لرزہ طاری ہو گیا۔ میں وہاں بالکل نہیں ٹھہر سکا اور فوراً قبر سے نکل گیا اور حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کی خدمت میں پہنچ کر میں نے کہا:

"مولا! وہ شخص جو اُس دن حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مذاق اڑا رہا تھا مر گیا ہے اور میں نے خود اپنے کانوں سے سُنا ہے کہ کہہ رہا تھا: اے بدبخت! افسوس ہو تجھ پر تُو نے دیکھ لیا جو کچھ امامؑ نے فرمایا تھا وہ بالکل برحق اور سچ تھا اور آج تُو اُسی مقام پر پہنچ گیا ہے۔"

یمن کی ملکہ بھوکی مر گئی!

کتاب "مستطرف" میں لکھا ہے:

کسی زمانے میں اہرام مصر سے ایک صندوق برآمد ہوا (حال میں بھی اہرام مصر کے پانچ ہزار سال پرانے آثار ظاہر ہوئے ہیں اور عجیب وغریب قسم کی حیرت انگیز چیزیں ملی ہیں)۔ بہرحال جب اُس صندوق کو کھولا گیا تو لوگوں نے دیکھا کہ اُس میں یمن کی ملکہ کا مُردہ جسم ہے اور وہ صندوق ہیرے جواہرات سے پُر ہے اور میّت کے ساتھ جواہرات سے سجی ایک تختی ہے جس پر کچھ لکھا ہوا ہے۔

پرانے زمانے کی زبان سمجھنے کے ماہرین کو بلایا گیا۔ انھوں نے تحریر پڑھی تو بتایا کہ اس پر لکھا ہے:

"میرا نام فلاں ہے۔ میں یمن کی ملکہ ہوں۔ اچھی طرح سمجھ لو کہ جب یمن میں قحط پڑا تو چونکہ میں ملکہ تھی میں نے اپنے تمام ہیرے جواہرات دے کر لوگوں کو بھیجا کہ میرے لیے ایک روٹی کا ٹکڑا لے آئیں لیکن مجھے روٹی نہیں مل سکی یہاں تک کہ میں بھوکی مر گئی۔ میں نے وصیت کر دی تھی کہ جب میں مر جاؤں تو یہ ہیرے جواہرات میرے ساتھ صندوق میں ڈال کر مجھے دفن کر دینا تاکہ بعد

ہیں آنے والے لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ مال و دولت اور مقام و مرتبہ کوئی کام نہیں آتا اور بھلا کہیں پیسہ بھی موت کو روک سکتا ہے!"

ایسے واقعات سے بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ خداوندِ عالم جب کسی کو سزا دینا چاہتا ہے تو اُس کا مال و دولت اور عہدہ اُس کے کسی کام نہیں آتا۔

خداوند عالم ہمیں مقام و منصب اور مال و دولت کو سب کچھ سمجھنے سے بچائے۔

ایک خوبصورت جوان

ابنِ سیرین ایک خوبصورت جوان تھا۔ وہ ایک سُنار ہوا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ اُس کی دکان پر شہر کی ایک مال دار عورت اپنی خادمہ کے ساتھ آئی اور کہنے لگی:

"میرے پاس کچھ ہیرے جواہرات ہیں۔ گھر پر آکر انھیں دیکھ کر خرید لو۔"

وہ عورت ابنِ سیرین کو اپنے گھر لے گئی۔ گھر کے اندر داخل ہوتے ہی اس نے اپنی خادمہ سے کہا:

"دروازہ اچھی طرح بند کر دو!"

اور پھر وہ ابنِ سیرین سے کہنے لگی:

"میں نے دراصل تمھیں دھوکہ دیا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ میں تمھارے عشق میں گرفتار ہو گئی ہوں۔ یہ سب تو بس تمھیں گھر لانے کا بہانہ تھا۔"

یہ صورتِ حال دیکھ کر ابنِ سیرین سوچ میں پڑ گئے کہ کس طرح سے اس سنگین معاملے اور گناہ سے بچا جا سکتا ہے۔ البتہ یہ سچ ہے کہ جب انسان گناہ سے بچنے کی ٹھان لے تو خدا اُس کی مدد کرتا ہے۔ چنانچہ تھوڑی دیر غور و فکر

کرنے کے بعد محمد ابنِ سیرینؒ نے بظاہر اُس عورت سے تعاون کا اظہار کیا اور ساتھ ہی یہ خواہش کی کہ میں رفع حاجت کرنا چاہتا ہوں۔

اس کے بعد وہ بیت الخلاء میں گئے اور اس کی غلاظت اپنے سر چہرے اور ہاتھوں پر مل لی اور اسی حالت میں پلٹ کر اُس عورت کے پاس آگئے۔ عورت نے جب یہ منظر دیکھا تو انھیں اپنے گھر سے باہر نکال دیا۔ اس کے بعد ابنِ سیرینؒ نے حمام میں جاکر غسل کیا اور صاف ستھرے ہوگئے۔

آپ نے دیکھا کہ تھوڑی دیر غور و فکر کرنے کے بعد کس طرح صبر اور استقامت کا مظاہرہ کرتے ہوئے محمد ابن سیرینؒ نے اپنے آپ کو آتشِ جہنم سے بچالیا۔ اور اس عملِ نیک کی بدولت خداوندِ عالم نے انھیں اِس دُنیا میں خواب کی تعبیر کا علم عطا کردیا۔ اس کے علاوہ زمانۂ برزخ اور آخرت میں خدا کیا کچھ عطا کرے گا وہی بہتر جانتا ہے۔

آنکھ کے ایک اشارے سے پھنس گیا

اس کے مقابلے میں جاحظ کا ایک واقعہ بھی ملتا ہے جو محمد ابن سیرینؒ کے ساتھ پیش آنے والے واقعے کے بالکل برعکس ہے۔ یہ ایک سیدھا سادہ عام سا آدمی تھا۔ بظاہر پڑھا لکھا کہلاتا تھا اور صورت شکل کے اعتبار سے انتہائی قبیح تھا۔ رنگ کالا، چہرے پر داغ دھبے، لمبی سی کالی ناک اور اُوپر سے دو موٹے موٹے پھیلے ہوئے سخت ہونٹ۔

ایک مرتبہ ایک گلی سے گزر رہا تھا۔ اس نے دیکھا کہ ایک حسین و جمیل عورت نے اسے معمولی سا آنکھ کا ایک اشارہ کردیا۔ بس اتنے سے اشارے سے وہ عورت کے جال میں پھنس گیا۔ وہ یہ سمجھ بیٹھا کہ عورت اس کی طرف مائل ہوگئی ہے۔ عورت جیسے جیسے ناز سے آگے بڑھتی جاتی وہ بھی اُسی کے ساتھ اُس کے پیچھے پیچھے چلتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ وہ ایک سُنار کی دکان تک اُسے لے آئی اور سُنار سے کچھ کہا۔ پھر جاحظ سے یہ کہتی ہوئی چلی گئی کہ آپ یہیں ٹھہریں اور میرا انتظار کریں۔

جاحظ نے کافی دیر تک انتظار کیا لیکن وہ لوٹ کر نہ آئی۔ پھر اُس نے سُنار سے پوچھا:

"یہ عورت کہاں چلی گئی؟ اس نے کیوں دیر کر دی؟!"

سُنار نے جواب دیا:

"اُس نے تجھے یہاں کسی اور کام کے لیے بُلایا تھا۔ دراصل یہ عورت میرے پاس تھوڑی دیر پہلے آئی تھی اور اس نے مجھ سے کہا تھا کہ جادُو کا عمل کرنے کے لیے میں اُس کی خاطر ایک شیطان کا پُتلا بنا دوں۔ تو میں نے اُس سے کہا تھا کہ میں نے شیطان کی صورت نہیں دیکھی ہے، بھلا میں اُس کا پُتلا کیسے بنا سکتا ہوں؟ پھر وہ میرے پاس سے یہ کہتی ہوئی گئی تھی کہ میں اس کا کوئی حل ڈھونڈتی ہوں۔ اور اب یہ تجھے میرے پاس لے آئی ہے۔ تجھے یہاں لانے کے بعد اُس نے مجھ سے کہا کہ بس ایسی ہی شکل بنا دو۔ اور اب تمھارا کام ختم ہوگیا ہے لہٰذا تم جا سکتے ہو!"

(اس واقعے سے یہ سبق ملتا ہے کہ ایک تو انسان کو حرام چیزوں کی طرف نظر نہیں اُٹھانی چاہیے اور دوسرے اپنی حیثیت اور اپنے مقام کو پیشِ نظر رکھنا چاہیے ورنہ دنیا میں اپنا مذاق اُڑوانے اور آخرت میں خدا کے غضب کا نشانہ بننے کا سبب قرار پا سکتا ہے۔)

محبوب پر ظلم

جب جنابِ ابوذرؓ کو جلاوطن کر کے شام بھیج دیا گیا تو اُن کے دوستوں میں سے کسی نے انھیں خط لکھ کر بہترین نصیحت اور حکمت آمیز وصیت کی آرزو کا اظہار کیا تو جنابِ ابوذرؓ نے اُسے یوں لکھا:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ اے شخص! تُو نے مجھ سے جس خواہش کا اظہار کیا ہے تو میں تجھ سے بس اتنا ہی کہوں گا کہ جسے تم سب سے زیادہ محبوب رکھتے ہو اُس پر ظلم مت کرو اور اُس کے ساتھ دشمنی مت کرو! والسلام"

خط ملا تو ابوذرؓ کی تحریر پڑھنے والا حیران ہوگیا۔ کہنے لگا یہ تو دو متضاد باتیں ہیں! بھلا کیسے ممکن ہے کہ آدمی جسے سب سے زیادہ محبوب رکھتا ہو اُس کے ساتھ دشمنی کرے!!

پھر اُس نے حضرت ابوذرؓ سے اِس کی وضاحت طلب کی چنانچہ اُنھوں نے اب کی مرتبہ جواب دیتے ہوئے لکھا:

تمھارے نزدیک لوگوں میں سب سے زیادہ محبوب چیز خود تمھاری جان ہے۔ انسان سب سے زیادہ اپنی جان کو ہی محبوب رکھتا ہے اور اس سلسلے میں کوئی شک و شبہ نہیں پایا جاتا یہاں تک کہ شاذ و نادر افراد کو چھوڑ کر آدمی

اپنی اولاد کے مقابلے میں بھی اپنی ہی ذات کو اہمیت دیتا ہے۔

آدمی جو کچھ بھی چاہتا ہے اپنی ذات ہی کے لیے چاہتا ہے۔ انسان کی جان اس کے نزدیک سب سے زیادہ اہم ہوتی ہے۔ اسے اپنی زندگی سب سے پیاری اور محبوب ہوتی ہے۔

لہٰذا تم اپنی جان پر ظلم مت کرو۔ اور اس کے ساتھ دشمنی اختیار نہ کرو۔ مطلب یہ ہے کہ گناہ نہ کرو۔ جب تم گناہ کرتے ہو تو خود اپنے اُوپر ظلم کرتے ہو اور جب تم کسی کو تھپڑ مارتے ہو تو غور نہیں کرتے کہ یہ تھپڑ مار کر تم نے خود اپنے ہی اوپر ظلم کیا ہے!

ایک عالم کا صبر و استقامت

نجف کے ایک عالم دین نے یہ واقعہ مجھ سے یُوں بیان کیا کہ میں ایک دن شہر کے اُس بازار سے گزر رہا تھا جہاں چیزیں نیلام ہوتی ہیں۔ وہاں پر میں نے ایک بڑے جلیل القدر عالم دین کو دیکھا۔ یہ عالم دین نجف کے علمی مرکز میں اُستاد تھے۔

میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ انھوں نے اپنی بغل سے ایک پتیلا نکالا اور اسے نیلام کے لیے دے دیا۔ یہ سب میں ایک کونے میں کھڑا ہوا دیکھ رہا تھا محترم اُستاد نے اپنا پتیلا نیلام کے لیے دیا، اُس کی بولی لگی اور پھر انھیں آٹھ آنہ یا پھر روپیہ مل گیا۔

وہ رقم لے کر چلے تو میں بھی تیزی سے اُن کے پاس پہنچا اور بڑے احترام سے انھیں سلام کیا۔ انھوں نے معمول کے مطابق بڑے اطمینان سے میرے سلام کا جواب دیا۔ وہ بالکل نارمل تھے اور ذرہ برابر بھی اُن کے اندر کوئی تبدیلی محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ میں نے کہا:

"جناب عالی! آپ کے اوپر ایسی کون سی مشکل آن پڑی ہے؟"

انھوں نے پوچھا:

" تم یہ کیوں پوچھ رہے ہو ؟ "

میں نے کہا :

" نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ اب آپ گھر کا ضروری سامان تک بیچنے پر مجبور ہو گئے ہیں ! "

میری یہ بات سُن کر انھوں نے مسکراتے ہوئے کہا :

" مجھ پر کوئی مشکل نہیں پڑی ہے ۔ میں نے پتیلا بیچا ہے اور اب اُس سے ملنے والی رقم سے روٹی خرید لوں گا ۔ کچھ بھی تو نہیں ہوا ، کوئی خاص واقعہ تو پیش نہیں آیا ! دو سال تک ہم نے اس پتیلے میں کھانا کھایا ہے اور آج اسے بیچ کر کھانا کھا رہے ہیں اور بعد میں جو کچھ خدا عنایت فرمائے گا کھائیں گے ۔ "

یہ تھا نجف کے ایک عالم کا صبر و استقامت !

مقصد یہ ہے کہ آدمی کو بے چین اور بے قرار نہیں ہونا چاہیے ۔ جو کچھ بھی اور جس طرح سے بھی خداوندِ عالم عطا فرمائے اس پر قناعت کرنی چاہیے ۔ وہی رزّاق ہے ۔ وہ جس طرح سے بھی رزق عطا فرمائے اس پر راضی اور خوش رہنا چاہیے اور کمی اور زیادتی کو اہمیت نہیں دینی چاہیے !

صبر و اخلاص کی ایک داستان

کتاب " ثمرات الاوراق " کا شمار قدیم کتابوں میں ہوتا ہے ۔ اس میں ایک داستان لکھی ہوئی ہے جس کا خلاصہ کچھ یوں ہے :

ترکی اور موصل کے درمیان زمین کا ایک خطّہ " جزیرہ " کے نام سے مشہور ہے ۔ کسی زمانے میں وہاں عرب کی ایک محترم شخصیت رہا کرتی تھی ۔ ان کا لقب تو مجھے یاد نہیں البتّہ اپنے زمانے کے حاتم طائی تھے اور نام ان کا خزیمہ تھا ۔ انتہائی مال دار اور سخی شخص تھے ۔

ان کے گھر کا دروازہ ہمیشہ فقراء و مساکین کے لیے کھُلا رہتا تھا ۔ شعراءِ کرام ان کے گھر آتے اور اپنا انعام وصول کر کے لے جاتے تھے ۔ غرض یہ کہ یہ ہر خاص و عام کو نوازتے رہتے تھے اور ان کی عمر اِسی جُود و سخا اور لُطف و کرم میں گزری تھی !

لیکن پھر ایک دور ایسا بھی آیا کہ جب زمانہ بدل گیا ۔ مصلحتِ پروردگار یہ ہوئی کہ وہ فقیر ہو جائیں ۔ تمام مال و دولت اور رعب و جلال آہستہ آہستہ ختم ہو گیا اور اب یہ بالکل خالی ہاتھ ہو چکے تھے ۔ پھر نوبت یہاں تک پہنچی کہ کوئی انھیں قرض تک نہیں دیتا تھا ۔ مجبوراً گوشہ نشین ہو گئے اور گھر کی

چیزیں آہستہ آہستہ بیچ بیچ کر ضروریاتِ زندگی پُوری کرنے لگے۔ پھر اس کے بعد اور بھی سخت حالات کا سامنا کرنا پڑا۔ وہ آدمی جس کا گھر ہمیشہ دُوسروں کے لیے کُھلا رہتا تھا اب بند رہنے لگا۔

اُس زمانے میں "جزیرہ" کا گورنر "عکرمہ" ہوا کرتا تھا۔ ایک دن اُس نے اپنے دربار میں خزیمہ کے بارے میں پوچھا کہ اُس کا کیا حال ہے ؟

درباریوں نے بتایا :

" گورنر صاحب ! آپ اُس بے چارے کے بارے میں کیا پوچھتے ہیں اس کی تمام شان و شوکت ختم ہو چکی ہے۔ اُس کے پاس اب کوئی پائی پیسہ باقی نہیں رہا بلکہ وہ تو خود اب محتاج اور فقیر ہو چکا ہے۔ اپنے گھر میں پڑا رہتا ہے اور گھر کی چیزیں بیچ بیچ کر گزارہ کر رہا ہے۔ اُس کے پاس تو اب کچھ بھی نہیں رہا !"

یہ سُن کر عکرمہ کو بہت دکھ ہوا۔

جب رات آئی تو اُس نے بیت المال سے چار ہزار اشرفیاں نکالیں اور ان اشرفیوں کو چار تھیلیوں میں بھر کر غلام کے حوالے کیا اور پھر ایک گھوڑے پر خود سوار ہوا اور دوسرے گھوڑے پر اپنے غلام کو ساتھ لیا یہاں تک کہ خزیمہ کے گھر کے قریب پہنچا۔

پھر اس خیال سے کہ کہیں میرا یہ عمل اخلاص سے خالی نہ رہے۔ اور صرف خوشنودیٔ خدا کی خاطر ہو۔ غلام سے اشرفیاں لے کر اسے واپس چلے جانے کا حکم دے دیا اور تھیلیوں کا بوجھ اٹھا کر یہ محترم گورنر رات کی تاریکی میں اپنے سر اور چہرے کو اچھی طرح چھپائے ہوئے خزیمہ کے دروازے پر پہنچ گیا۔ دروازے پر دستک دی۔ اُس نے پوچھا :

" تم کون ہو ______ ؟"

عکرمہ نے کہا :

" میں ایک عربی ہوں تمھارے لیے یہ لے کر آیا ہوں۔"

خزیمہ نے پوچھا :

" یہ کیا ہے ______ ؟"

اُس نے کہا :

" یہ چار ہزار دینار ہیں۔ ان کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ میں نے سُنا تھا کہ تمھارے اُوپر کچھ سختی ہے لہٰذا یہ رقم لے آیا ہوں۔"

خزیمہ نے کہا :

جب تک تمھیں پہچان نہ لوں رقم نہیں لے سکتا !"

اُس نے کہا :

" تمھیں اِس سے کیا کہ میں کون ہوں۔ یہ رقم لے لو، میں نہیں چاہتا کہ تم مجھے پہچانو !"

خزیمہ نے بڑی سختی سے کہا :

"جب تک تم مجھے نہیں بتاؤ گے کہ کون ہو، میں یہ رقم ہرگز نہیں لوں گا ______ !"

اس نے خود کو مجبور پا کر اپنا ایک جعلی لقب بیان کرتے ہوئے کہا :

" میں جابر اثراتِ الکرام ہوں۔ یعنی میں صاحبانِ عزت و وقار کو درپیش آنے والے نقصان کو پورا کرنے والا ہوں۔ جب کسی سخی اور صاحبِ عزت شخص سے کوئی لغزش سرزد ہو جاتی ہے اور اس کے ہاتھ سے مال و دولت نکل جاتا ہے تو میں اس تک رقم پہنچا دیتا ہوں۔"

یہ کہہ کر اُس نے رقم حوالے کی اور وہاں سے تیزی سے چلا گیا۔

خزیمہ اشرفیوں کی تھیلیاں لے کر کمرے میں آیا۔ بیوی سے کہا کہ چراغ جلاؤ دیکھیں تو سہی کہ کتنی رقم ہے!

بیوی نے بتایا کہ ہمارے ہاں چراغ میں تیل ہی نہیں ہے۔ پھر وہ صبح کا انتظار کرنے لگے۔ بیوی نے پوچھا کہ آدھی رات کو یہ بہت سا مال کون لے کے آیا ہے ـــــــ؟

اُس نے بتایا کہ میری تمام تر کوشش کے باوجود اُس نے اپنا نام تو نہیں بتایا بلکہ صرف اتنا کہا کہ میں "جابر اثرات الکرام" ہوں اور پھر یہ کہہ کر وہ تیزی سے چلا گیا۔ اس کے علاوہ اس نے مجھے اور کچھ نہیں بتایا۔

اُدھر جزیرے کا گورنر بے چارہ اتنی بڑی رقم دے کر جب اپنے گھر پہنچا تو اس کی بیوی سخت پریشان اور برہم تھی۔ اس کا گریبان چاک تھا اور بال بکھرے ہوئے تھے۔ عکرمہ نے پوچھا:

"تمھیں کیا ہو گیا ہے ـــــــ؟

اس نے کہا:

"اِتنی رات کو تم کہاں گئے تھے؟ رات کا یہ حصّہ تم نے کہاں گزارا ہے؟"

عکرمہ نے کہا:

"مجھے کام تھا اور میں کام سے گیا تھا!"

وہ بولی:

"نہیں! تم یقیناً دوسری بی بی کے پاس گئے تھے۔ اِتنی رات گئے اس کے گھر جانے کی بھلا کیا تک ہے؟!"

عکرمہ نے کہا:

"خدا کی قسم! میں کسی عورت کے پاس نہیں تھا۔ مجھے تو بس ایک کام تھا اور میں اسی سلسلے میں گیا تھا۔"

عورت کو اُس کی بات کا یقین نہیں آیا اور وہ خود کو بُری طرح نوچنے پیٹنے لگی اور چیخ کر کہنے لگی:

"میں خود کو مار ڈالوں گی ورنہ تم مجھے سچ سچ بتا دو کہ کہاں گئے تھے؟"

عکرمہ نے کہا:

"خدا کی قسم! میں نے تمھارے علاوہ کوئی شادی نہیں کی ہے!"

وہ اپنی بیوی کو بھی اصل بات بتانا نہیں چاہتا تھا لیکن اُس کی بیوی اُسے کسی حال میں چھوڑنے کے لیے تیار نہیں تھی۔ بالآخر اُس نے کہا:

"اچھا میں تمھیں اصل بات بتا ہی دیتا ہوں۔

وہ بات یہ ہے کہ میں نے سُنا تھا خزیمہ مفلس ہو کر گوشہ نشین ہو گیا ہے۔ میں اُسے چار ہزار دینار دینے اُس کے گھر گیا تھا۔ اُس نے مجھ سے پوچھا کہ تم کون ہو؟ لیکن میں نے اُسے اپنا نام نہیں بتایا بلکہ صرف اِتنا کہا کہ میں "جابر اثرات الکرام" ہوں۔ اور پھر یہ کہہ کر اور رقم دے کر واپس آ گیا۔"

یہ سُن کر عورت کو اطمینان ہو گیا اور بات آئی گئی ہو گئی۔

اُدھر خزیمہ نے وہ رقم استعمال کی۔ اُس سے اپنی ضروریاتِ زندگی کی چیزیں خریدیں اور پھر شام کے سفر پر روانہ ہو گیا۔ وہاں وہ اموی بادشاہ کے پاس پہنچا۔ بادشاہ نے پوچھا:

"برسوں سے تم میرے پاس نہیں آئے، آخر کیا حال ہے اور کیسی گزر رہی ہے؟!"

خزیمہ نے کہا:

" ہاں ! ایک عرصہ سے میری مالی حالت بہت خراب تھی اور میں بالکل تنگ دست ہو گیا تھا ! "

بادشاہ نے کہا :

" تمھیں جب بھی کوئی مسئلہ درپیش ہو میرے پاس آکر کہہ دیا کرو تاکہ میں اسے حل کر دیا کروں ۔"

خزیمہ نے کہا :

" سچ تو یہ ہے کہ میرے پاس کرایہ تک کے پیسے نہیں تھے ! "

بادشاہ نے پوچھا :

" پھر تم یہاں تک کیسے پہنچے ؟ "

اُس نے جواب دیا :

" میرے لیے آسانی مہیا ہو گئی ۔ وہ اس طرح کہ رات کی تاریکی میں ایک شخص اپنا چہرہ چھپا کر چار ہزار دینار مجھے دے گیا ۔ میں نے بہت پوچھا ۔ لیکن اُس نے اپنا نام مجھے نہیں بتایا ۔ ہاں البتہ صرف اتنا کہا کہ میں "جابر اثرات الکرام" ہوں ۔"

یہ سُن کر بادشاہ نے کہا :

" کاش ! میں جانتا کہ وہ کون ہے ! کاش ! ایسے سخی اور مخلص شخص سے میں بھی ملتا جس نے پوشیدہ طور پر نیکی کی ہے ! "

پھر جب خزیمہ خدا حافظ کہہ کر جانے لگا تو بادشاہ نے اُس کی پریشانیوں کی تلافی کے خیال سے اسے کہا :

" میں تمھیں "جزیرہ" کا گورنر مقرر کرتا ہوں ! "

خزیمہ نے جزیرہ کی گورنری قبول کر لی اور عکرمہ بے چارہ اپنے عہدے

سے معزول ہو گیا !

بادشاہ نے خزیمہ کو یہ بھی ہدایت کی تھی کہ جب تم عکرمہ کو معزول کر دو تو اُس سے بیت المال کا اچھی طرح حساب لے لینا اور اگر وہ خیانت کا مرتکب قرار پائے تو اسے ہتھکڑیاں ڈال کر شام بھیج دینا ۔"

خزیمہ نے "جزیرہ" کی گورنری کا عہدہ سنبھال لیا اور دستور کے مطابق اُس کی آمد سے پہلے ہی جزیرہ کے رہنے والوں کو معلوم ہو گیا کہ اب یہاں کا نیا گورنر خزیمہ آنے والا ہے ۔ یہ خبر پا کر عکرمہ بھی خزیمہ کے استقبال کے لیے آیا اور نہایت عزت و احترام کے ساتھ اسے سرکاری محل تک لے آیا اور اسے منصب پر بٹھا دیا ۔ اس دوران عکرمہ نے اُس سے کوئی بات نہیں کی ، اور اسے یہ نہیں بتایا کہ میں کون ہوں ۔

کچھ دنوں کے بعد جب خزیمہ کا اقتدار مضبوط ہو گیا تو اس نے حکومت کے عہدے پر فائز ہونے کے بعد فرمان جاری کیا :

" عکرمہ کو بلاؤ ! "

جب معزول ہو جانے والے گورنر کو لایا گیا تو نئے گورنر نے اُس سے کہا کہ اپنا سابقہ حساب دو ۔

عکرمہ نے جب حساب پیش کیا تو اس میں چار ہزار دینار کا فرق تھا اور یہ چار ہزار دینار وہی کم پڑ رہے تھے جو رات کی تاریکی میں عکرمہ نے اس بے رحم خزیمہ کو دیے تھے ۔

خزیمہ نے کہا :

" عکرمہ ! بہرحال تمھیں اِس کمی کو پورا کرنا ہو گا ۔"

اُس نے کہا :

"واللہ! خدا جانتا ہے نہ تو میں نے یہ پیسے کھائے ہیں اور نہ کہیں چُھپا کر رکھے ہیں!"

نئے گورنر نے کہا:

"اِسے جیل میں ڈال دو۔"

بے چارہ عکرمہ اپنے عہدے سے بھی معزول ہوا اور انھیں چار ہزار دیناروں کی وجہ سے جو اُس نے خزیمہ ہی کی مدد کے لیے دیے تھے جیل بھی چلا گیا۔ اُس نے کچھ نہیں کہا اور بالکل خاموش رہا۔ یہ نہیں بتایا کہ میں وہی تو ہوں جس نے اُس رات تجھے چار ہزار دینار لا کر دیے تھے اور تُو اِس طرح اُس کا بدلہ چکا رہا ہے! سچ ہے اگر کوئی کام صرف خدا کے لیے ہو تو پھر اسے کسی اور سے نہیں کہا جا سکتا۔

نئے گورنر نے اُس پر کوئی رحم نہیں کیا بلکہ اُسے جیل میں ڈال دیا۔ جیل بھجوانے سے مسئلہ حل نہ ہو سکا کیونکہ رقم تو اس کے پاس تھی ہی نہیں پھر بھلا وہ کیسے دے سکتا تھا۔

اب خزیمہ نے حکم دیا کہ اِس پر تشدّد کرو۔ معزول ہونے والے گورنر پر ظلم و تشدّد شروع ہو گیا۔ یہ ظلم و تشدّد دیکھ کر عکرمہ کی بیوی مزید برداشت نہیں کر سکی اور نئے گورنر خزیمہ کو پیغام دیتے ہوئے کہا:

"کیا "جابر اثرات الکرام" کو اس طرح سے صلہ دیا جاتا ہے!"

بس یہی ایک جملہ خزیمہ کے لیے کافی تھا۔ یہ پیغام پاتے ہی اُس نے فوراً حکم دیا کہ عکرمہ کو جیل سے لایا جائے۔ بلکہ وہ خود جیل پہنچا اور اس کے قدموں میں گر کر معذرت طلب کی اور اپنے دونوں پاؤں اس کے سامنے کرتے ہوئے کہا:

"اپنے پاؤں کی زنجیر میرے پیروں میں ڈال دو۔"

عکرمہ نے خزیمہ کی خواہش کو قبول نہیں کیا۔ خزیمہ نے کہا:

"تم گھوڑے پر سوار ہو جاؤ۔ میں پیدل چلتا ہوں۔"

اُس نے کہا:

"یہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔ میں نے کوئی ایسا کام نہیں کیا ہے جس کی وجہ سے میری اتنی عزت کی جائے۔"

خزیمہ نے کہا:

"کیا تم وہی شخص نہیں ہو جس نے اُس رات میری مدد کی تھی اور مجھے میری پریشانیوں سے نجات دلائی تھی؟"

اُس نے کہا:

"یہ عمل میں نے تمھارے لیے تو نہیں کیا تھا۔ میرا یہ عمل تو صرف خوشنودیِ خدا کی خاطر تھا!"

مختصر یہ کہ خزیمہ اُسے انتہائی عزت و احترام کے ساتھ لے کر اموی بادشاہ کے پاس پہنچا اور اسے بتایا کہ یہ وہی سخی اور مخلص شخص ہے جس سے ملنے کی آپ تمنا کر رہے تھے۔ اس پر اموی بادشاہ نے اسے بہت سا مال عطا کیا اور پھر دوبارہ اس کے عہدے پر بحال کرنے کی پیش کش کی لیکن اُس نے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ کہنے لگا مجھے جزیرے کی گورنری نہیں چاہیے یہ خزیمہ ہی کے سپرد رہنے دیں۔ پھر بادشاہ نے اُسے کسی اور صوبے کا گورنر بنا کر عزت و احترام کے ساتھ روانہ کر دیا۔

———— ✳ ————

کفن چور اور پڑوسی کی میّت

عرصہ گزرا ایک شخص قبر کھول کر مُردوں کا کفن چرایا کرتا تھا۔ اُس کا پڑوسی اس راز سے واقف تھا۔ ایک مرتبہ جب پڑوسی بیمار ہوا اور سمجھ گیا کہ اب میں مرجاؤں گا تو اُس نے کفن چور کو اپنے پاس بلوایا پھر اپنے کمرے سے اُس کفن چور کے علاوہ سب کو باہر چلے جانے کو کہا اور دو تھیلے اُس کے سامنے رکھتے ہوئے بولا:

"اے شخص! کیا میں نے تجھے کوئی تکلیف پہنچائی ہے؟"

اُس نے جواب دیا:

"نہیں!"

پھر پڑوسی نے کہا:

"میری تم سے ایک گزارش ہے اور وہ یہ کہ جب میں مرجاؤں تو قبر سے میرا کفن چُرا کر مت لے جانا۔ میں نے دو کفن خرید لیے ہیں۔ ایک مہنگا ہے اور دوسرا سستا، مہنگا کفن میں ابھی تمھیں دیے دیتا ہوں اور جب میں مرجاؤں تو تم میری میّت کو برہنہ مت کرنا!"

کفن چور نے تکلف کرتے ہوئے کہا:

"نہیں نہیں! اس کی کیا ضرورت ہے!"

پڑوسی نے کہا:

"تمھیں یہ قبول کرنا پڑے گا۔ خدا کے لیے تم یہ کفن لے لو اور میرے ساتھ یہ معاملہ طے کرلو کہ اس کے بعد تم میرا کفن نہیں چُراؤ گے!"

پھر بڑے اصرار کے بعد پڑوسی نے مہنگا اور قیمتی کفن اُس کے حوالے کردیا۔

چند ہی دنوں کے بعد وہ پڑوسی اس دنیا سے اُٹھ گیا اور اُسے دفن کردیا گیا۔ رات آئی تو کفن چور سوچنے لگا بھلا مُردہ بھی کچھ سمجھتا ہے! میں خواہ مخواہ کیوں اُس کا کفن ہاتھ سے جانے دوں! یہ سوچ کر وہ اپنے معمول کے مطابق قبرستان پہنچا اور وہاں قبر کھول کر میّت کا کفن اُتارنے لگا۔ اتنے میں اچانک میّت نے فریاد کی:

"مجھے برہنہ مت کرو!!"

یہ دردناک جُملہ کفن چور کے دل پر اثر کرگیا اور وہ خوفِ خدا سے کانپتا اور روتا ہوا قبر سے باہر نکل آیا۔ وہ اتنا خوف زدہ ہوچکا تھا کہ بیمار پڑگیا اور سمجھ گیا کہ یہ خوف اس کی جان لیے بغیر نہیں رہے گا۔

اپنی صورتِ حال کا اندازہ کرتے ہوئے کفن چور نے اپنے بیٹے کو بُلا کر کہا:

میں نے تمھارے لیے بڑی زحمتیں اُٹھائی ہیں۔ اب میری بھی اس کے بدلے ایک تمنا ہے اور وہ یہ کہ جب میں مرجاؤں تو میری میت دفن نہ کرنا! بلکہ صحرا میں لے جاکر میری لاش کو جلا دینا۔ اور پھر اُس سے حاصل ہونے والی راکھ کا آدھا حصّہ دریا میں ڈال دینا اور آدھا اُسی صحرا

میں اُڑا دینا!! یعنی میں اتنا بدبخت اور گناہگار ہوں کہ خود کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن ہونے کے لائق نہیں سمجھتا۔"

یہ تھا کفن چور کا خوفِ خدا اور یہ تھی اس کی اپنے گناہوں پر شرمندگی اور جب بھی کوئی شخص اپنے گناہ کو بہت بڑا سمجھے تو وہ خدا کی رحمت اور مغفرت کے قریب ہو جاتا ہے۔ چنانچہ روایت میں ہے کہ جب کفن چور کی وصیّت کے مطابق اس کی خواہش پر عمل کیا گیا تو خداوندِ کریم نے اسے اپنے حکم سے زندہ کر دیا! پھر ایک غیبی آواز آئی:

"اے میرے بندے تُو نے یہ کیسی وصیّت کی!"

اُس نے جواب دیا:

"پروردگارا! تُو خوب جانتا ہے کہ میری یہ وصیّت تیرے خوف اور اپنے گناہوں پر ندامت کی وجہ سے تھی۔"

پھر غیبی آواز آئی:

"ہم نے تجھے امان دے دی ہے!"

اور جو بھی خوفِ خدا رکھتا ہے خدا اُسے معاف کر دیتا ہے اور امان دے دیتا ہے۔

زیادہ چاہت ٹھیک نہیں!

کسی زمانے میں ایک امیر نے اپنے بادشاہ کو بلّور کا انتہائی قیمتی برتن تحفے میں دیا۔ بادشاہ اِس برتن کو پا کر بہت خوش ہوا اور اپنے وزیر سے کہنے لگا:

"یہ تحفہ تمھارے خیال میں کیسا ہے؟"

وزیر نے کہا:

"اگر آپ مجھ سے پوچھتے ہیں تو یہ آپ کے لیے اچھا نہیں ہے!"

بادشاہ کو وزیر کی یہ بات بُری لگی اور اُس نے کہا کہ تم کتنے بدذوق ہو! ایسے نایاب بلّور کو ناپسند کر رہے ہو!

بادشاہ نے بلّور کے اس قیمتی برتن کو ایک خاص جگہ پر رکھوا دیا۔ اور ساتھ ہی اس کی حفاظت کے لیے نگہبان مقرر کر دیا۔

کچھ عرصے بعد بادشاہ نے اُس برتن کو طلب کیا۔ خادم لینے گیا مگر جب اُس نے برتن کو اُٹھایا تو اس کا ہاتھ کانپ گیا اور وہ قیمتی بلّور کا برتن گر کر ٹوٹ گیا۔ بادشاہ کو خبر ملی تو یہ دن اُس کے لیے حزن و ملال کا دن ثابت ہوا۔

بادشاہ کا وزیر موقع اور محل کی مناسبت کو خوب سمجھتا تھا اور جانتا تھا کہ کس وقت کون سی بات کرنی چاہیے۔ چنانچہ اب اس نے یاد دلاتے ہوئے کہا:

"اُس دن جو میں نے بادشاہ سلامت سے کہا تھا کہ یہ آپ کے لیے اچھا نہیں ہے تو میں نے یہ بات اسی لیے کہی تھی کہ کسی نہ کسی دن یہ برتن ٹوٹ جائے گا اور اس کے ساتھ ہی ساتھ وہ دل بھی ٹوٹ جائے جو اسے بہت زیادہ عزیز رکھتا ہے! میں چاہتا تھا کہ شروع ہی میں آپ کو یہ بتا دوں کہ اس برتن سے زیادہ چاہت رکھنا ٹھیک نہیں ہے تاکہ جب یہ برتن ٹوٹے تو اُس کے ساتھ بادشاہ کا دل نہ ٹوٹنے پائے۔"

یہ بات سُن کر بادشاہ سمجھ گیا کہ اُس کا وزیر کتنا عقل مند اور ذہین ہے!

پُرامن شہر

کتاب "حیات القلوب" میں علاّمہ مجلسیؒ نے اسکندر ذوالقرنین کے بارے میں بہت لکھا ہے۔ جہاں اس کی اور فتوحات کا ذکر ہے وہاں ایک شہر کی فتح کے حال میں کچھ یوں لکھتے ہیں:

اِس کے بعد اسکندر ایک شہر کو فتح کرنے کے لیے جب اُس میں داخل ہوا تو وہاں اُس نے عجیب چیزیں مشاہدہ کیں۔ ان عجیب وغریب چیزوں میں ایک چیز یہ بھی تھی کہ وہاں ہر گھر کے دروازے کے ساتھ چند قبریں تھیں۔

اسکندر نے شہر کے مرکزی دفتر کے بارے میں دریافت کیا تو لوگوں نے بتایا کہ ایسا کوئی دفتر ہمارے شہر میں نہیں ہے اور ہمارے ہاں تو کوئی قاضی بھی نہیں ہے!

اسکندر نے کہا:

"بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ کوئی شہر بغیر حاکم اور قاضی کے ہو اور وہاں لوگ پُرامن طور پر مل جُل کر زندگی گزارتے ہوں؟!"

لوگوں نے بتایا:

"جناب اسکندر! ہمارے اس شہر میں کوئی بھی ایک دوسرے سے

نہیں لڑتا ہے۔"

اسکندر نے کہا:

"آخر یہ کیوں کر ممکن ہے؟!"

پُر امن شہر کے لوگوں نے بتایا:

ہمارے آبا و اجداد کا یہ طریقہ رہا ہے کہ جب کوئی شخص مرجاتا ہے تو اُس کی میت گھر ہی میں دروازے کے ساتھ دفن کر دیتے ہیں۔ ہمارے ہاں الگ سے کوئی قبرستان نہیں ہے۔ جب بھی کوئی مرتا ہے اس کی قبر گھر ہی میں بنا دی جاتی ہے۔ ایسا ہم اس لیے کرتے ہیں تاکہ جب بھی کوئی شخص اپنے گھر سے باہر نکلے تو وہ اپنے آبا و اجداد کی قبروں سے گزرتا ہوا نکلے اور اُسے اچھی طرح معلوم رہے کہ بعد میں اُس کا بھی یہی انجام ہونے والا ہے۔ چنانچہ وہ اپنے اس انجام پر نظر رکھتے ہوئے گھر کے باہر کوئی گناہ اور برائی کا ارتکاب نہیں کرتا ہے۔ اسی طرح جب کوئی شخص اپنے گھر لوٹ کر آتا ہے تو اِن قبروں سے گزرتا ہوا آتا ہے۔ چنانچہ اپنے انجام کی بابت سوچتے ہوئے اس طرح گھر میں آنے کے بعد وہ اپنے اہلِ خانہ اور بال بچوں کے ساتھ کسی قسم کی کوئی زیادتی نہیں کرتا ہے۔

مختصر یہ کہ اپنے ماں باپ، بھائی بہن اور رشتہ داروں کی گھر میں موجود ان قبروں کی وجہ یہ ہے کہ کوئی بھی شخص موت کو فراموش نہ کرے اور ہر روز موت اس کی نگاہوں کے سامنے رہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے اس شہر میں کوئی کسی کا مال نہیں لے جاتا۔ وہ شخص جسے کل زندہ رہنے کی اُمید نہ ہو وہ بھلا کیوں کسی کی حق تلفی کرے گا اور اے اسکندر! اس شہر کے لوگ بھلا کیوں تجھ سے جنگ کریں گے؟ اس جنگ و جدال سے انھیں کیا ملے گا؟!

ہادی عباسی کی اچانک موت

تاریخ میں ہے کہ خلیفہ ہادی عباسی انتہائی شقی القلب تھا اور وہ مرتے دم تک اسی غیظ و غضب کا شکار رہا۔ خوں ریزی اور ظلم و بربریت ہی اس کا کام تھا۔ اور اُس کی زندگی کا اختتام بڑے عجیب اور حیرت انگیز طور پر ہوا۔

اپنی زندگی کے آخری دن دوپہر کی سخت گرمی میں اُس نے اپنے وزیر ہرثمہ کو بلایا اور بالکل درندے کی طرح اُس پر جھپٹنے کا انداز اختیار کرتے ہوئے کہا:

"ہرثمہ! میں نے سُنا ہے کہ میرا بھائی ہارون، یحییٰ ابن خالد برمکی سے مدد حاصل کر کے مجھے حکومت سے ہٹانا چاہتا ہے اور خود خلافت پر قابض ہونا چاہتا ہے! تم آج رات ہارون کے گھر جاؤ اور اُس کا سر قلم کر کے لے آؤ۔"

ہادی عباسی محض اس خیال سے کہ کہیں اُس کا بھائی حکومت کی راہ میں رکاوٹ نہ بن جائے اسے قتل کرنا چاہتا تھا۔

ہرثمہ نے کہا:

"بڑی عجیب بات ہے کہ آپ اپنے اُس سگے بھائی کو جو آپ کا ولی عہد بھی ہے قتل کرنا چاہتے ہیں! ذرا سوچیں کہ آپ لوگوں کو کیا جواب دیں گے؟"

ہادی عباسی نے کہا :

"یہ سب باتیں رہنے دو۔ حکومت کی راہ میں جو بھی رکاوٹ بنے اُسے ختم کردو۔ اُسے قتل کرنے کے بعد تم قید خانے جاؤ اور تمام علوی سادات کو قید سے باہر نکالو اور ان میں سے نصف قیدیوں کا سر قلم کردو اور نصف کو دریا میں غرق کردو۔ تمام قید خانے خالی ہوجانے چاہئیں۔ تم آج ہی رات کوفہ جاؤ گے اور وہاں جاکر پہلے یہ اعلان کرو کہ جتنے لوگ عباسی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں وہ سب شہر سے نکل جائیں اور اس کے بعد پورے شہر کو آگ لگادو۔ شہر کے چاروں طرف اپنے آدمیوں کو تعینات کردو تاکہ جو بھی فرار ہونے کی کوشش کرے وہ قتل کردیا جائے۔ میں نہیں چاہتا کہ اب اس شہر میں کوئی بھی علیؑ کا چاہنے والا باقی بچے۔ شہر کوفہ کو جلانے کے بعد اسے مسمار کرکے زمین کے برابر کردو۔"

ہرثمہ نے کہا:

"آخر انھوں نے کون سا گناہ کیا ہے؟ کوفہ والے بہرحال مسلمان ہیں! پھر آپ ان کے قتلِ عام کا حکم کیوں دے رہے ہیں؟!!"

ہادی عباسی بولا:

"مسلمان صرف وہ ہے جو میرے حکم کا تابع ہو! جو میری بات مانے بس وہی مسلمان ہے!!"

جب کوئی آدمی اس طرح سوچنے لگے اور خود گویا خدا بن بیٹھے اور سب کچھ اپنی ذات کو سمجھنے لگے تو اس کا انجام بہت ہولناک ہوتا ہے۔ خدا ایسی سوچ سے پناہ میں رکھے۔ زیادہ مال و دولت، صحت و سلامتی اور جوانی پاکر موت کو بھول جانا، سرکشی اور خدا سے بغاوت کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔

خلیفہ کی باتیں سُن کر ہرثمہ نے استعفیٰ دیتے ہوئے کہا:

"مجھے ریاست نہیں چاہیے۔ میں ایسے گناہوں کا ارتکاب نہیں کرسکتا۔"

عباسی خلیفہ نے دھمکی دی:

"ہرثمہ! تم میرے تمام احکامات بجالاؤ ورنہ تمھیں بھی قتل کردیا جائے گا۔"

ہرثمہ نے ڈرتے ہوئے کہا:

"ٹھیک ہے، میں اس کے لیے تیار ہوں!"

یہ سن کر خلیفہ کمرے کے اندر چلا گیا اور ہرثمہ اپنے بارے میں حیران و پریشان ہوکر سوچنے لگا۔

خلیفہ کی ماں نے جب یہ سُنا کہ وہ اپنے بھائی کو قتل کرنا چاہتا ہے تو وہ اُس کے پیروں پر گر پڑی اور کہنے لگی:

"اپنے بھائی کو قتل کرنے سے باز آجاؤ! اُسے مت مارو۔"

لیکن اس شقی نے ماں کو ایک لات مار کر جھٹک دیا! اس کا نفس اتنا سرکش ہوچکا تھا کہ اقتدار کے نشے میں اس نے سب کچھ بھلا دیا تھا۔ ظلم جب حد سے بڑھ جائے تو اسے بالآخر ذلت و رسوائی کا سامنا کرنا ہی پڑتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ کچھ ہی دیر بعد خلیفہ کی بیوی نے اچانک چیخ کر کہا:

"آکر خبر لو! خلیفہ ہادی عباسی اچانک مرگیا ہے!"

اس کی موت کا سبب یہ تھا کہ ماں کے باہر نکل جانے کے بعد خلیفہ نے جب کھانا کھانا شروع کیا تو غذا اس کے حلق میں پھنس گئی تھی اور اس طرح وہ اچانک مرگیا۔

دراصل ماں کی بددعا نے اسے جہنم کی بدترین وادی میں پہنچادیا۔ ہرثمہ کو بتایا گیا کہ خلیفہ مرگیا ہے۔ اس نے آکر دیکھا کہ چہرے پر نقاب پڑی ہوئی ہے نقاب کو ہٹایا تو اس کا چہرہ تارکول کی مانند سیاہ ہو رہا تھا۔

وہ رات کہ جس میں وہ اپنے بھائی کو قتل کر کے حکومت کے راستے
سے ہٹانا چاہتا تھا اسے قبر میں لے کر چلی گئی اور معاملہ بالکل برعکس ہو گیا!
اور اُسی رات،
اُس کے بھائی ہارون کو مسندِ حکومت پر بٹھا دیا گیا!

سات سو سال پہلے کا ایک تاجر

مصری سیّاح ابنِ بطوطہ نے بہت سے ملکوں کی سیاحت کی ہے
اور وہاں کے حالات کو قلم بند کیا ہے۔ سات سو سال قبل جب وہ شیراز پہنچا تو اُس
نے وہاں کی جامع مسجد کے حالات یوں بیان کیے ہیں:
شیراز کی جامع مسجد کا صحن سنگِ مرمر کے پتھروں سے مزین ہے۔
شب و روز میں تین مرتبہ اُسے مکمل طور پر دھویا جاتا ہے۔ کوئی بھی شخص جوتے پہن کر
اس مسجد میں داخل نہیں ہوتا ہے۔ یہاں لوگوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر ظہر کی نماز
کے لیے موجود رہتا ہے۔ مسجد کے باہر ایک بازار ہے (نہیں معلوم اب وہ بازار
کہاں ہے؟) جس کا دروازہ مسجد کے ایک جانب کھلتا ہے۔ مسجد اتنی شاندار
اور خوب صورت ہے کہ ایسی خوبصورت تعمیر میں نے سوائے شام کے کہیں اور نہیں دیکھی
جب میں اس مقام پر پہنچا تو وہاں میری نظر ایک دوکاندار پر پڑی
جہاں کوئی گاہک نہیں تھا اور وہ قرآن کی تلاوت میں مصروف تھا۔ تلاوتِ
قرآن کا بہترین لہجہ مجھے اس کی جانب متوجہ کر رہا تھا۔ چنانچہ میں اس کے قریب
چلا گیا اور احوال پرسی کے بعد میں نے پوچھا:
"کیا کر رہے ہو؟"

اُس نے جواب دیا :

"میں نے اپنی اِس دوکان میں ایک قبر کھود رکھی ہے !"

یہ کہہ کر اُس نے دری ہٹائی تو میں نے دیکھا کہ قبر بالکل تیار ہے اور ایک سنگِ مرمر کے پتھر پر دوکان دار کا نام کندہ کیا ہوا ہے۔ پھر وہ دوکاندار کہنے لگا :

"میں نے اِس دوکان میں اِس لیے قبر کھود رکھی ہے تاکہ دُنیا کے فریب میں نہ آؤں اور گاہکوں کو دھوکا دے کر لوٹ کھسوٹ نہ کروں۔ جب کوئی گاہک نہیں ہوتا ہے تو میں اسی قبر کے کنارے بیٹھ کر تلاوتِ قرآن کیا کرتا ہوں۔ ایسا میں اِس لیے کرتا ہوں تاکہ میرا نفس مجھے سرکشی اور نافرمانی کی طرف نہ لے جائے۔"

یہ ہے سات سو سال پہلے کے ایک شیرازی تاجر کا ایک عمل ، جو تاجروں کے لیے بہترین مثال اور ایک عالی شان نمونہ ہے۔

شوہر کی ستائی ہوئی

کتاب "بحار الانوار" کی نویں جلد میں ہے کہ ایک دن ظہر کے وقت سخت گرمی کے موسم میں امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام دیوار سے ٹیک لگائے ہوئے تنہا تشریف فرما تھے۔ راوی کہتا ہے میں نے پوچھا :

"آپ اتنی سخت گرمی میں کسی سائے میں کیوں نہیں ہو جاتے ؟!"

امام علیہ السلام نے فرمایا :

"میں یہاں اِس لیے ہوں تاکہ مجھ سے کوئی نیکی ہو جائے اور میں کسی مظلوم کی مدد کر سکوں !"

ابھی یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ ایک عورت روتی پیٹتی اور فریاد و فغاں کرتی ہوئی آئی اور کہنے لگی :

"اے امیر المومنینؑ ! میری مدد کیجیے۔ میرے شوہر نے مجھے مار پیٹ کر گھر سے نکال دیا ہے۔"

یہ سُن کر حضرت علیؑ نے پوچھا :

"تمھارا گھر کہاں ہے ؟"

اُس نے بتایا کہ میں یہاں سے کافی دور فلاں محلّے میں رہتی ہوں۔

راوی کہتا ہے کہ پھر ہم عورت کے ساتھ اُس کے گھر پہنچے۔ دروازے پر پہنچ کر دستک دی۔ ایک شخص نے دروازہ کھولا۔ وہ مولا علیؑ کو نہیں پہچانتا تھا حضرت علی علیہ السلام نے اس شخص کو سمجھاتے ہوئے فرمایا:

"تم اپنی بیوی کے ساتھ عدل وانصاف سے کام کیوں نہیں لیتے ؟"

اور اسی طرح کچھ اور نصیحت کرنے کے بعد اسے حکم دیتے ہوئے کہا کہ تم اپنی بیوی کے ساتھ مہر و محبت سے پیش آؤ!

یہ سُن کر وہ مغرور جوان اکڑ گیا اور بے ادبی کرتے ہوئے کہنے لگا:

"چونکہ تو کہہ رہا ہے لہٰذا اب تو میں اس عورت کے ساتھ اور بھی زیادہ بُرا سلوک کروں گا!"

اُس شخص کے اس طرزِ عمل پر حضرت علی علیہ السلام نے نیام سے تلوار نکال لی اور فرمایا:

"میں تمھیں امر بالمعروف کر رہا ہوں اور تم اول فول بک رہے ہو!"

وہ شخص بھی سمجھ رہا تھا کہ اب معاملہ خراب ہو رہا ہے۔ پھر اسی اثنا میں کچھ لوگ وہاں سے گزرے اور انھوں نے کہا:

"السلام علیک یا امیر المومنینؑ!"

لوگوں کا سلام سُن کر اُس نے اچھی طرح پہچان لیا کہ مجھے نصیحت کرنے والے امیر المومنین حضرت علیؑ ہیں۔ چنانچہ گویا ہوا:

"مولاؑ! آپؑ میرے گھر تشریف لائے ہیں! اب میں اسی خوشی کی وجہ سے اِس عورت کو اپنے گھر رکھ رہا ہوں اور اس کا ہر طرح خیال رکھوں گا بلکہ میں اپنا چہرہ زمین پر رکھتا ہوں تاکہ میری بیوی اپنا پاؤں اس پر رکھے۔ اور اس طرح میرا غرور و تکبّر خاک میں مل جائے۔"

امام علیہ السلام نے اس شخص کا شکریہ ادا کیا۔

پھر شوہر کی ستائی ہوئی عورت کو اُس کے گھر پہنچانے اور میاں بیوی میں صلح کرانے کی اس توفیق پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا!

چھٹے امامؑ پر جھوٹا دعویٰ

امام جعفر صادق علیہ السلام طواف سے فارغ ہونے کے بعد مسجد الحرام کے ایک گوشے میں تنہا محوِ عبادت تھے۔ اسی اثنا میں ایک شخص نے آکر حضرتؑ کا گریبان پکڑ لیا اور کہنے لگا:

"مجھے میری سو اشرفی دیتے ہو یا نہیں؟!"

آپؑ نے پوچھا:

"کیسی اشرفیاں؟!"

اُس نے کہا:

"وہ سو اشرفی، جو میں نے تمھیں بطور امانت دی تھیں۔ کیا تم انھیں ہضم کرنا چاہتے ہو؟! بس لاؤ، نکالو، مجھے ابھی چاہئیں!"

چھٹے امامؑ نے فرمایا:

"ہوسکتا ہے تم غلطی پر ہو اور تمھیں دھوکا ہو رہا ہو!"

امامؑ کی اِس بات پر وہ عرب مزید چیخ پکار کرتے ہوئے رقم کا مطالبہ کرنے لگا۔ چنانچہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

"ٹھیک ہے، میرے ساتھ چلو۔ تاکہ میں تمھیں دے دوں۔"

امامؑ نے اُس سے بڑی نرمی سے گفتگو فرمائی۔ کیونکہ آپؑ جانتے تھے کہ اُس سے اُلجھنے کی صورت میں منصبِ امامت کی توہین کا پہلو نکل سکتا ہے۔ مختصر یہ کہ آپؑ اُسے لے کر اپنے گھر پہنچے، سو اشرفی اُسے دی اور وہ عرب لے کر چلا گیا۔

دوسرے دن عرب کو وہ شخص مل گیا جس کے حوالے اُس نے سو اشرفی کی تھی۔ مطالبہ کرنے پر اسے وہ رقم مل گئی۔ اب اس عرب کو اچھی طرح احساس ہوگیا تھا کہ وہ سراسر غلطی پر تھا۔ چنانچہ وہ سوچنے لگا کہ کل جس نے مجھے رقم دی تھی اُسے تلاش کرنا چاہیئے۔ یہ سوچ کر وہ مسجد الحرام میں آیا۔ اور جب امامؑ سے ملاقات ہوئی تو کہنے لگا:

"جنابِ عالی! غلطی پر میں تھا۔ اب مجھے وہ شخص مل گیا ہے جسے میں نے اپنی رقم دی تھی۔ آئیے اب میں آپؑ کو وہ سو اشرفی واپس لوٹا دوں!"

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

"میں نے تو کل ہی تمھیں معاف کر دیا تھا! میرے دل میں تمھارے خلاف کوئی رنجش نہیں ہے۔ اور میں اپنی رقم بھی واپس نہیں لوں گا۔ کیونکہ یہ میں نے تمھیں راہِ خدا میں دی ہے۔ جو معاملہ بھی خدا کے ساتھ ہو وہ توڑا نہیں جاسکتا۔ اور جو چیز بھی خدا کی راہ میں دی جائے وہ واپس نہیں لی جاسکتی!"

ایک گُناہ کی تلافی

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانے میں جب کہ اسلام کا ابتدائی دَور تھا اور تمام کے تمام مسلمان محاذِ جنگ پر نہیں جا سکتے تھے۔ کیونکہ اس صورت میں اہل وعیال کی احوال پُرسی کرنے والا کوئی باقی نہیں رہتا اور پھر معاشی صورتحال بھی اس بات کا تقاضا کرتی تھی کہ کچھ لوگ شہر ہی میں رہیں اور محاذِ جنگ پر نہ جائیں۔ نبیِ کریمؐ نے برادرانِ ایمانی کے اہلِ خانہ کی ضروریات کو پُورا کرنے کے لیے مسلمانوں کے درمیان صیغۂ اخوت بھی جاری فرما دیا تھا۔

چنانچہ ہر دو مسلمان جن کے درمیان فکری لحاظ سے مناسبت پائی جاتی تھی صیغۂ اخوت میں باندھ دیے گئے تھے تا کہ اُن میں سے ایک جب محاذِ جنگ پر جائے تو دوسرا اس کے اہل وعیال کی معاشی ضروریات کا خیال رکھے۔

غزوۂ تبوک کے موقع پر سعید ابن عبدالرحمٰن اور ثعلبہ انصاری کے درمیان برادری کا یہ رشتہ قائم کر دیا گیا۔ سعید، رسولِ خداؐ کے ساتھ محاذِ جنگ پر چلے گئے اور ثعلبہ رُک گئے تا کہ وہ اپنی اور محاذ پر جانے والے ساتھی کے اہلِ خانہ کی ضروریاتِ زندگی کو پورا کر سکیں۔

چنانچہ ثعلبہ روزانہ اپنے ساتھی کے گھر آتے اور پردے کے پیچھے سے اُن

کے اہل وعیال کی ضروریات کو معلوم کر کے پورا کر دیا کرتے تھے۔

لیکن ایک دن اچانک ثعلبہ کی نگاہ سعید کی بیوی پر پڑ گئی اور وہ اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکے۔ یہاں تک کہ وہ دست درازی کر بیٹھے۔ اُس مومنہ عورت نے جب یہ دیکھا کہ ثعلبہ بُرے خیالات میں مبتلا ہو گیا ہے تو اس نے غصّے کے عالم میں اُس کی ڈانٹ پھٹکار کی اور کہا:

"افسوس! تمھارا بھائی راہِ خدا میں اپنی جان کی بازی لگانے گیا ہے اس نے اپنی بیوی تمھارے حوالے کی ہے اور تم اپنے بھائی کی بیوی کے ساتھ خیانت کرنا چاہتے ہو؟!"

ثعلبہ ایک مومن آدمی تھا۔ گناہ کا یہ خیال بس ایک اتفاق کا نتیجہ تھا یہی وجہ تھی کہ عورت کے یہ جملے تیر کی طرح اُس کے دل پر لگے۔ وہ خدا پر ایمان رکھتا تھا اور خدا کو حاضر و ناظر سمجھتا تھا۔ گناہ کا یہ ارادہ تو صرف ایک معمولی سی غفلت اور اتفاق کا نتیجہ تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اُس کے دل میں احساسِ ندامت پیدا ہوا اور وہ توبہ و استغفار کرتا ہوا مدینہ کے ویران پہاڑوں کی جانب چلا گیا۔

پیغمبر اکرمؐ اپنے اصحاب کے ساتھ جنگ سے واپس لوٹے تو ساتھ میں سعید بھی آیا۔ گھر پہنچ کر اُس نے اپنی بیوی سے ثعلبہ کے بارے میں پوچھا۔ اس نے بتایا۔ کہ ہاں وہ روزانہ آتا تھا اور میری ضروریاتِ زندگی کو پورا کرتا تھا۔ لیکن ایک دن اُس نے بُرے کام کا ارادہ کیا اور میں نے غصّے میں اُسے کافی بُرا بھلا کہا۔ چنانچہ وہ روتا اور گڑگڑاتا ہوا یہاں سے چلا گیا۔ اور اب میں نے سُنا ہے کہ وہ مدینہ کے ویران صحرا میں پہاڑوں پر جا کر توبہ و استغفار میں مصروف ہے.....!

گناہ کا ارادہ کرنے پر ثعلبہ اس طرح مضطرب اور پریشان تھا! سعید اُس کی تلاش میں نکلا اور پھر اُس نے دیکھا کہ ثعلبہ سخت گرمی میں جلتے ہوئے

پتھروں پر پڑا آہ و زاری کر رہا ہے۔ یہ دیکھ کر سعید پر بھی رِقّت طاری ہوئی اور اُس نے پوچھا:

"بھائی! تجھے کیا ہوگیا ہے؟"

اُس نے جواب دیا:

"میں مُنہ دکھانے کے قابل نہیں رہا۔ میرا گناہ بہت بڑا ہے!"

البتہ ثعلبہ نے گناہ نہیں کیا تھا بلکہ صرف اس کا ارادہ کیا تھا۔

سعید نے کہا:

"اٹھو! پیغمبر اکرمؐ کی خدمت میں چلتے ہیں وہ تمھارے لیے استغفار کریں گے اور خدا تمھیں معاف کر دے گا۔"

ثعلبہ نے کہا:

"میں ایسے نہیں آؤں گا۔ میں تو بہت گناہگار ہوں۔ پہلے میرے دونوں ہاتھوں کو باندھ دو اور پھر میری گردن میں رسّی ڈال کر غلاموں کی طرح کھینچتے ہوئے مجھے لے چلو۔"

سعید اسی طرح ثعلبہ کو لے کر شہر میں داخل ہوا۔ راستے میں جس نے بھی اُسے دیکھا نفرت سے اپنا مُنہ پھیر لیا۔ خود اُس کی بیٹی نے اُس کے سامنے آکر کہا:

"بابا! یہ آپ نے کیسی رسوائی کا سامان کر لیا ہے؟"

اُس نے جواب دیا:

"یہ ذلّت اور رسوائی میرے گناہ کی وجہ سے ہے۔ میں گناہ گار ہوں، اور مُنہ دکھانے کے قابل نہیں رہا۔"

بیٹی بھی اپنے باپ کے ساتھ چلی اور اس روایت میں ہے کہ یہ لوگ

حضرت علی علیہ السلام کی خدمت میں پہنچے۔ حضرت علیؑ نے اُسے سرزنش کرتے ہوئے کہا:

"کیا تم نہیں جانتے کہ جو شخص راہِ خدا میں جہاد کرنے کے لیے محاذِ جنگ پر جاتا ہے وہ خدا کے نزدیک کتنا محترم اور صاحبِ عزّت ہے؟ پھر تم نے اُس کی بیوی کے ساتھ بُرے کام کا ارادہ کیوں کیا؟!"

پھر یہ لوگ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دولت کدہ پر پہنچے۔ آنحضرتؐ کو بتایا گیا کہ ثعلبہ آیا ہے۔ وہ گناہ گار ہے اور چاہتا ہے کہ آپؐ اُس کے لیے خدا سے مغفرت کی دعا فرما دیں۔ جب حضورؐ نے اُس کے گناہ کی بابت دریافت فرمایا تو سارا ماجرا آپؐ کے سامنے بیان کر دیا گیا۔ یہ سُن کر پیغمبر اکرمؐ کی پیشانی پر بل پڑ گئے اور ثعلبہ سے فرمایا:

"یہاں سے نکل جاؤ!"

آپؐ نے یہ نہیں فرمایا کہ خدا نے تجھے معاف کر دیا ہے۔

پیغمبر اکرمؐ نے اُسے لوٹ جانے کا حکم دیا۔ اور خود انتظار میں رہے کہ اس کے بارے میں کیا وحی نازل ہوتی ہے۔ کیونکہ خداوند عالم کی نافرمانی ہی گناہِ عظیم ہے۔ بہرحال ثعلبہ دوبارہ اسی صحرا میں جا کر تپتے ہوئے پہاڑوں پر آہ و زاری کرنے لگا اور ساتھ ہی یہ بھی کہنے لگا:

"پروردگارا! اگر تُو نے مجھے معاف کر دیا ہے تو اپنے پیغمبرؐ پر وحی نازل فرما تاکہ وہ مجھے اس کی بشارت دیں۔ اور اگر تُو نے مجھے معاف نہیں کیا ہے تو ایک آگ بھیج دے جو مجھے جلا کر خاکستر کر دے۔"

ابھی تھوڑی دیر بھی نہیں گزری تھی کہ قرآن مجید میں اس کی توبہ قبول کرنے

کے سلسلے میں آیت نازل ہو گئی۔

اِس آیۂ مبارکہ میں یہ خوشخبری دی گئی کہ خدا نے اسے معاف کر دیا ہے۔
حضرت علیؑ آئے اور انھوں نے ثعلبہ کو اِس بات کی بشارت دی اور ساتھ ہی شہر لے آئے۔

اُسی رات ثعلبہ نے مسجد میں آ کر پیغمبرِ اکرمؐ کے پیچھے نمازِ عشاء کی جماعت میں شرکت کی۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلّم نے نماز میں سورۂ حمد کے بعد سورۂ تکاثر کی تلاوت فرمائی۔ اِس سورہ میں ایسی آیتیں ہیں جن سے آدمی کا دل لرز کر رہ جاتا ہے۔ مختصر یہ کہ ثعلبہ کا دل صاف و شفاف اور پاک و پاکیزہ ہو چکا تھا۔ وہ ان عذاب والی آیتوں کو برداشت نہ کر سکا اور ایک چیخ مار کر گر پڑا۔

نماز کے ختم ہوتے ہی لوگ اُس کے اردگرد جمع ہو گئے۔ اُسے ہلایا لیکن وہ بے حس و حرکت ہو چکا تھا۔ اور اب وہ اس دنیا سے اُٹھ چکا تھا۔

دراصل سچّی توبہ کرنے اور احساسِ ندامت کی وجہ سے اس کا دل اتنا نرم ہو چکا تھا کہ وہ عذاب والی آیات کو برداشت نہ کر سکا۔

———☆———

بوجھ اُٹھانے والا جنّتی

ایک اہلِ معرفت اور صاحبِ ریاضت فرماتے ہیں:

ایک رات میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک بہت بڑی اور حیرت انگیز حکومت ہے! میں نے پوچھا کہ اِس عظیم الشان حکومت کا بادشاہ کون ہے؟ مجھے بتایا گیا کہ وہ جو تخت پر بیٹھا ہوا ہے۔

میں نے کہا کہ کیا مجھے اُس سے ملنے کی اجازت مل جائے گی؟ انھوں نے جا کر پوچھا اور پھر لوٹ کر آنے کے بعد مجھے بتایا کہ اجازت مل گئی ہے۔

جب مجھے اُن کے پاس لے جایا گیا تو انھوں نے میرا احترام کیا۔ میں نے پوچھا کہ آپ کون ہیں؟ میں آپ کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں؟

انھوں نے بتایا: "میں بوجھ اٹھانے والا ایک مزدور ہوں۔"

پھر میں نے سوال کیا کہ آپ کو اتنا بلند مرتبہ کیسے حاصل ہوا ہے؟

انھوں نے بتایا:

"میں نمازِ جماعت کا پابند رہا کرتا تھا اور لوگوں کے ساتھ میں نے کبھی جھوٹ اور خیانت سے کام نہیں لیا۔ اسی لیے مجھے جنّت میں یہ بلند مقام اور مرتبہ عطا کیا گیا ہے ——!"

———☆———

جواہرات کا بند تھیلا

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی اپنی کتاب میں تحریر کرتے ہیں:

مدائن ایران کے بادشاہوں کا پایۂ تخت اور ہیرے جواہرات کا مرکز تھا۔ گزشتہ کئی سالوں سے یہ شہر عجم کے پوشیدہ خزانوں کا محافظ تھا۔ بڑی مقدار میں بیش بہا مالِ غنیمت اس شہر میں ایک مخصوص شخص کے حوالے کر دیا جاتا تھا۔

ایک مرتبہ لوگوں نے دیکھا کہ ایک نومسلم ہیرے جواہرات کا بند تھیلا اُسی ذمہ دار شخص کے پاس لایا۔ اُس سے پوچھا گیا کہ یہ کیا ہے؟ لانے والے نے بتایا کہ وہی کچھ ہے جو تم دیکھ رہے ہو۔

حکومت کے اہل کار نے پوچھا:

"اِس کے اندر کیا ہے ______؟"

اُس نے کہا:

"میں نے اسے کھول کر نہیں دیکھا ہے کہ اس میں کیا ہے۔ اگر میں خدا پر ایمان نہ رکھتا تو اِسے یہاں لے کر بھی نہیں آتا۔ ایمانی تقاضے نے مجھے اِس امر پر مائل کیا کہ میں اِس تھیلے کو لا کر یہاں جمع کرادوں۔ اور اگر خدا حاضر و ناظر ہے تو پھر میں کس طرح اِس تھیلے کو کھولنے کی جُرأت کر سکتا ہوں۔ سر بمُہر تھیلے میں موجود

یہ مالِ غنیمت تو مسلمانوں میں تقسیم کرنے کے لیے ہے۔"

اندازہ کیجیے کہ اُس نومُسلم کے دل میں ایمان کتنا راسخ ہو چکا تھا۔ ایک آدمی جو بالکل تنگ دست ہو اور اسے مال و دولت کی ضرورت بھی ہو لیکن پھر بھی وہ اتنا بڑا خزانہ حاصل کرنے کے باوجود اسے کھولتا تک نہیں ہے!!

جب اُس سے پوچھا گیا کہ تمھارا نام کیا ہے تو اُس نے کہا:

"تمھیں میرے نام سے کیا کام! بس میں ایک مسلمان ہوں!"

حکومت کے ذمہ دار شخص نے کہا کہ میں اِس کا اندراج کرنا چاہتا ہوں کہ تم نے یہ خدمت انجام دی ہے اور تمھارے لیے اس میں سے کچھ معیّن ہونا چاہیے۔

نوجوان نے کہا:

"میں نے یہ تھیلا اپنی تعریف و توصیف کی خاطر تمھارے حوالے نہیں کیا ہے۔ دراصل یہ میرا اور خدا کا معاملہ ہے۔ میں تم سے کوئی معاملہ نہیں کر رہا۔ اور جب میں یہ معاملہ خدا سے کر رہا ہوں تو وہ اپنے قبضۂ قدرت سے میرا حصّہ معیّن فرمائے گا میں اتنا کم ہمت نہیں ہوں کہ تم سے ایک تعریف اور شاباش کی خاطر کوئی معمولی سودا کرلوں!!!"

بندۂ مومن کا بے پناہ اجر

یہ اس وقت کی بات ہے کہ جب حضرت یوسف علیہ السّلام مصر کے بادشاہ بن گئے تھے۔ ایک دفعہ حضرت جبرئیلؑ انسانی صورت میں اُن کے پاس تشریف لائے۔ اسی اثنا میں دور سے انھوں نے ایک جوان کو باورچی خانہ میں کام کرتے ہوئے دیکھا تو حضرت یوسفؑ سے مخاطب ہو کر کہا:

"یوسفؑ! کیا تم اس جوان کو پہچانتے ہو؟"

حضرت یوسفؑ نے کہا:

"نہیں!"

فرشتہ نے بتایا کہ یہ وہی بچہ ہے جس نے اس دن گھوارے سے تمھاری بے گناہی کی گواہی دی تھی۔

جنابِ یوسفؑ نے اُسے بلایا اور پھر اس کی کافی عزت کرنے کے ساتھ ساتھ اس کا شکریہ بھی ادا کیا۔ اُسے بہترین پوشاک عطا کی اور ساتھ ہی اس کے کام کو کافی ترقی بھی دی۔

یہ دیکھ کر حضرت جبرئیلؑ نے مسکراتے ہوئے کہا:

"اے یوسفؑ! تم خدا کی اس مخلوق کو جس نے بغیر سوچے سمجھے اور بے اختیاری

کی حالت میں تمھاری بے گناہی کی گواہی دی ہے اس طرح سے اس کا بدلہ چکا رہے ہو اور اسے اتنا شاندار اجر دے رہے ہو تو پھر معلوم نہیں خداوندِ عالم اس بندۂ مومن کو کتنا اجر و ثواب دے گا جس نے زندگی بھر اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ کہہ کر خدا کی وحدانیت کی گواہی دی ہو، اُس بندۂ مومن نے اپنی زندگی کا ایک بڑا حصہ سُبْحَانَ اللّٰهِ کہہ کر خدا کی پاکیزگی بیان کی ہو اور یہ کہا ہو:

"اِلٰهاً واحداً احداً صمداً فرداً وتراً حیاً قیوماً"

وہ بندۂ مومن کہ جس نے زندگی بھر یہ کہا ہو کہ میرا خدا بڑا بخشنے والا ہے اور میں اس سے کئی گنا اجر و ثواب کی امید رکھتا ہوں (تو اے یوسفؑ!) مجھے نہیں معلوم کہ بروزِ قیامت ایسے بندۂ مومن کو خدا کتنا زیادہ اجر عطا فرمائے گا؟!!

پسندیدہ انگور سائل کے حوالے

امام زین العابدین علیہ السلام کو انگور پسند تھے۔ (ویسے بھی انگور اور انار بہشت کے پھلوں کا ایک نمونہ ہیں) ابھی انگور کی فصل کا آغاز ہوا تھا اور بازار میں زیادہ نہیں آئے تھے۔

امام علیہ السلام کے لیے انگور کے چند خوشے لائے گئے۔ آپؑ انھیں تناول فرمانا چاہتے تھے کہ اچانک ایک فقیر آگیا۔ اس سے پہلے کہ آپؑ انگور کا کوئی دانہ خود کھاتے فوراً ہی ایک خوشہ اٹھا کر فقیر کے حوالے کر دیا۔

امامؑ کے ایک صحابی نے کہا:

"مولاؑ! یہ انگور نایاب ہیں اور ابھی بازار میں کم یاب ہیں۔ یہ اس لیے لائے گئے ہیں تاکہ آپؑ انھیں تناول فرمائیں، سائل کو کچھ رقم دے دیجیے!"

امام علیہ السلام نے فرمایا:

"یہ انگور مجھے پسند ہیں اسی لیے تو میں انھیں راہِ خدا میں دے رہا ہوں۔"

تلاوتِ قرآن کی لذّت

جن غزوات میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شرکت فرمایا کرتے تھے ان ہی میں سے ایک غزوہ کے موقع پر آپؐ نے لشکر کو صحرا میں ٹھہرنے کا حکم دیا۔ لشکر کو شب خون سے محفوظ رکھنے کے لیے آنحضرتؐ نے دو افراد پہرہ دینے کے لیے مقرر فرما دیے۔ ان میں سے ایک عمار ابنِ یاسر تھے اور دوسرے کوئی اور صحابی۔

سارا لشکر سو گیا اور ان دو افراد نے رات کے دو حصے کر لیے اور آپس میں باری باری جاگ کر پہرہ دینے کا فیصلہ کر لیا۔ عمار ابنِ یاسر سو رہے تھے اور ان کا ساتھی جاگ رہا تھا اور نماز پڑھنے میں مصروف تھا اور پہلی رکعت میں سورۂ حمد کے بعد سورۂ کہف کی تلاوت شروع کر دی۔ اسی اثنا میں یہودیوں کا ایک جاسوس ادھر نکل آیا۔ وہ یہ جاننا چاہتا تھا کہ لشکر والے سو رہے ہیں یا جاگ رہے ہیں۔ اور ان پر ہم شب خون مار سکتے ہیں یا نہیں۔

اس جاسوس نے دور سے دیکھا کہ کوئی چیز ستون کی طرح کھڑی ہوئی ہے لیکن تاریکی کی وجہ سے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کسی درخت کی لکڑی ہے یا کوئی انسان ہے۔

یہ جاننے کے لیے اُس نے اس کی جانب ایک تیر پھینکا۔ تیر عمار کے

ساتھی کو آکر لگا لیکن اُس میں ذرہ برابر بھی جنبش پیدا نہیں ہوئی۔ دراصل وہ تلاوتِ قرآن کی لذت میں محو ہو چکے تھے۔ یہودی نے محسوس کیا کہ میرے تیر کا کوئی اثر ظاہر نہیں ہوا۔ معلوم نہیں یہ تیر نشان پر لگا یا نہیں۔ چنانچہ اس نے دوسرا تیر پھینکا۔ اس تیر نے بھی آکر اس نمازی کے جسم میں ایک اور سوراخ کر دیا لیکن پھر بھی اُن میں کوئی حرکت پیدا نہیں ہوئی۔ پھر جب انھیں تیسرا تیر آکر لگا تو انھوں نے عمارابنِ یاسر کو پاؤں سے جگا دیا اور اس کے بعد وہ نماز مکمل کر کے زمین پر گر پڑے۔

عمار ابن یاسر نے تمام مسلمان سپاہیوں کو جگا دیا اور بالآخر وہ یہودی فرار ہو گیا!

اس کے بعد عمار نے اپنے ساتھی سے پوچھا کہ جب پہلا تیر لگا تھا تو تم نے مجھے کیوں نہیں جگایا؟

ساتھی نے جواب دیا:

"خدا کی قسم! میں سورۂ کہف کی تلاوت کے سلسلے کو روکنا نہیں چاہتا تھا البتہ جب مجھے اس بات کا خوف محسوس ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ بعد میں، میں تمھیں نہ جگا سکوں۔ اور دشمن لشکرِ اسلام پر حملہ کر دے۔ لہٰذا میں نے تمھیں (تیسرا تیر لگنے کے بعد) جگا دیا۔"

مینارِ مسجد اور موذّن

تفسیر "روح البیان" میں ہے کہ کسی شہر میں تین بھائی رہتے تھے۔ اُن میں سے بڑے بھائی نے دس سال تک شہر کی مسجد میں موذّن کی حیثیت سے فرائض انجام دیے۔ وہ مسجد کے مینار پر جا کر اذان دیا کرتا تھا۔ اور دس سال کے بعد جب اس کا انتقال ہوا تو دوسرے بھائی نے یہ عہدہ سنبھال لیا۔ پھر چند سال کے بعد دُوسرا بھائی بھی اِس دنیا سے اٹھ گیا۔

اس کے بعد یہ عہدہ تیسرے بھائی کے سامنے پیش کیا گیا لیکن تیسرے بھائی نے اسے قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ اس سے کہا گیا کہ تمھیں اس خدمت کی زیادہ سے زیادہ اجرت دی جائے گی۔ مگر اس نے جواب میں کہا:

"اگر تم مجھے سو گُنا اجر بھی دو گے تب بھی میں یہ عہدہ قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں!"

لوگوں نے پوچھا:

"کیا اذان دینا کوئی بُری بات ہے؟"

اُس نے جواب دیا:

"نہیں! لیکن میں مسجد کے مینار پر جا کر اذان دینے کی ذمہ داری کو قبول

کرنے کے لیے ہرگز تیار نہیں ہوں!"

جب بہت اصرار کیا گیا تو اس نے وجہ یہ بتائی:

مؤذن کا یہ منصب ایک ایسا عہدہ ہے کہ جس میرے دو بھائیوں کو بدبخت کر دیا اور وہ ایمان سے خالی اس دنیا سے اٹھ گئے! میں اپنے بڑے بھائی کے سرہانے وقتِ آخر موجود تھا۔ میں نے اُس کے سامنے سورۂ یٰسین پڑھنے کی خواہش کی لیکن اس نے مجھے جھڑک کر منع کر دیا اور کہنے لگا: (نعوذ باللہ) یہ قرآن کیا ہے؟ اور پھر دوسرے بھائی کے ساتھ بھی بالکل ایسا ہی واقعہ پیش آیا!

اپنے دونوں بھائیوں کی یہ حالت دیکھ کر میں نے خداوندِ عالم سے گڑگڑا کر دعا کی اور کہا کہ یہ دونوں سالہا سال تک نمازِ جماعت کے پابند رہے اور اذان بھی دیتے رہے۔ پھر آخر یہ دونوں ایمان سے خالی اس دنیا سے کیوں رخصت ہوئے؟

میرے گڑگڑا کر دعا کرنے کے بعد خداوندِ کریم نے مجھ پر احسان کیا اور میں نے خواب میں دیکھا کہ میرے بڑے بھائی پر عذاب نازل کیا جا رہا ہے۔ میں نے کہا:

"میں اس وقت تک تم سے دُور نہیں ہوں گا جب تک یہ نہ معلوم کر لوں کہ تم ایمان سے بے بہرہ ہو کر کیوں اس دنیا سے رخصت ہوئے؟!"

پروردگارِ عالم نے مجھے سمجھانے کے لیے میرے بھائی کو قوتِ گویائی عطا کر دی اور اس نے مجھ سے یوں کہا:

"(میرے ایمان سے بے بہرہ ہو کر دنیا سے اُٹھنے کی وجہ یہ ہے کہ) جب میں اذان دینے کے لیے مسجد کے مینار پر جاتا تھا تو اپنی آنکھوں کو اِدھر اُدھر گھما پھرا کر لوگوں کے گھروں میں دیکھا کرتا تھا۔ اور اس طرح میں لوگوں کی بیویوں اور بیٹیوں کے گھریلو اور داخلی معاملات کی جستجو میں پڑ جایا کرتا تھا۔"

• معلوم ہوا کہ ——

یہ بدبخت جب مسجد کے مینار پر اذان دینے کے لیے جاتا تھا تو اُس کے دل پر تاک جھانک کرنے کی وجہ سے گناہ کی تاریکی کا ایک پردہ پڑ جاتا تھا اور اُس کا دل روز بروز فاسد اور مزید زہر آلود ہوتا جاتا تھا۔

یہی وجہ تھی کہ

وقتِ آخر وہ ایمان سے خالی ہو کر اس دنیا سے رخصت ہوا۔

اسکندر اور چین کا بادشاہ

اسکندر مقدونی نے چین پہنچ کر وہاں کے دار الحکومت کا محاصرہ کر لیا۔ محاصرے کے دوران اسکندر اپنے وزراء کے ساتھ ایک خیمے میں بیٹھا ہوا تھا کہ اتنے میں پہرے پر موجود سپاہیوں نے آ کر بتایا کہ ایک چینی آپ سے ملنے آیا ہے اور وہ کہتا کہ میں بادشاہِ چین کی طرف سے آیا ہوں۔ کیا آپ اسے اپنے پاس آنے کی اجازت مرحمت فرماتے ہیں ؟!

اسکندر نے اجازت دی اور وہ چینی خیمے میں آ کر کہنے لگا :

" میں بادشاہ کا خاص پیغام لے کر آیا ہوں اور اس نے مجھ سے کہا ہے کہ میں تنہائی میں یہ پیغام آپ تک پہنچاؤں ! "

اسکندر نے تخلیہ کا حکم دیا۔ پھر اس چینی نے کہا :

" مجھے پہچانتے ہو ——— ؟ "

اسکندر بولا :

نہیں ——— ! "

چینی قاصد نے مسکراتے ہوئے بتایا :

" میں قاصد نہیں بلکہ خود چین کا بادشاہ ہوں ! "

اسکندر نے کہا :

" تمھیں خود یہاں آنے کی جرأت کیسے ہوئی۔ یہاں آتے ہوئے کوئی خوف کیوں محسوس نہ ہوا ؟! "

بادشاہِ چین نے جواب دیا :

" مجھے بالکل خوف نہیں محسوس ہوا۔ اِس لیے کہ میں نے سُن رکھا ہے کہ تم ایک عقل مند آدمی ہو اور عقل مند آدمی کبھی کوئی غلط کام نہیں کرتا۔ اِس کے علاوہ میں نے پہلے تمھارے ساتھ کوئی بُرائی تو کی نہیں ہے کہ جس کی وجہ سے تم مجھے خواہ مخواہ قتل کرنا چاہو گے ! اب رہا یہ سوال کہ مجھے مار کر تم میری مملکت پر قبضہ کرنا چاہو تو اِس سلسلے میں بھی تمھاری کامیابی کا امکان بہت کم ہے۔ اس لیے کہ میرے پاس فوج کی کمی نہیں اور میری سلطنت کے نائب، وزیر اور رؤسا تمھارے مقابلے کے لیے تیار ہیں۔ "

اسکندر کو شاہِ چین کی ذہانت پر بڑی حیرت ہوئی اور اس نے کہا :

" ہم تم سے صلح کرنے کے لیے تیار ہیں بشرطیکہ تم اپنی مملکت سے حاصل ہونے والی تین سالہ آمدنی بطور خراج ہمیں دے دو۔ ایسا کرنا تمھارے لیے مشکل تو نہیں ہو گا ؟ "

شاہِ چین نے فوراً کہا :

" کیوں مشکل نہیں ہو گا۔ خراج ادا کرنے کی صورت میں ہم اقتصادی لحاظ سے پیچھے رہ جائیں گے ! "

اسکندر بھی کافی ذہین اور چالاک تھا کہنے لگا :

" اگر ایک سال کا خراج میں تم سے لے لوں تو یہ ٹھیک رہے گا اور یہ تمھارے لیے پریشانی کا باعث بھی نہیں ہو گا ؟ "

چین کا بادشاہ بولا:

"یقیناً ہو گا ______!"

بالآخر اسکندر نے یہ کہہ کر بات ختم کر دی:

"تو پھر تم مجھے چھ ماہ کا خراج ادا کر دو۔ اور میرے خیال میں تم چین کی حکمرانی کے لیے بہترین شخص ہو اور تم سے بڑھ کر یہاں کوئی عقل مند اور دانشور نہیں ہے۔"

مختصر یہ کہ دونوں بادشاہوں نے آپس میں صلح کر لی اور یہ طے پایا کہ اسکندر چین سے چھ ماہ کا خراج لے کر چلا جائے گا۔

جانے سے پہلے شاہِ چین نے کہا:

"جنابِ اسکندر! میری بھی ایک خواہش ہے وہ یہ کہ میں اچھا نہیں سمجھتا کہ تم میرے ملک میں آؤ اور میں تمھاری کوئی مہمان نوازی نہ کروں۔ لہٰذا میں چاہتا ہوں کہ تم اور تمھارے تمام لشکر والے کل دوپہر کے کھانے پر میرے مہمان ہوں۔"

اسکندر نے یہ دعوت قبول کر لی اور دوسرے دن اپنا تمام لشکر لے کر اس جگہ پہنچ گیا جہاں دوپہر کے کھانے پر بلایا گیا تھا۔

بادشاہِ چین نے خود آگے بڑھ کر اپنے بہت بڑے لشکر کے ساتھ اسکندر کے سپاہیوں کا استقبال کیا۔ یہ دیکھ کر شروع میں اسکندر کو خوف محسوس ہوا اور وہ سوچنے لگا کہ کہیں اس کے ساتھ دھوکہ تو نہیں ہوا ہے! کہنے لگا:

"کیا تم نے میرے ساتھ کوئی چال چلی ہے؟!"

بادشاہِ چین نے کہا:

"ہرگز نہیں، بلکہ میں یہ چاہتا تھا کہ اپنا یہ عظیم الشان لشکر تمھیں دکھادوں تاکہ تم یہ نہ سمجھ بیٹھو کہ کل رات جو میں تمھارے پاس آیا تھا وہ کسی کمزوری اور مجبوری کی وجہ سے تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ میں فوجی اعتبار سے تم سے زیادہ طاقتور ہوں۔ لیکن

چونکہ میں یہ سمجھتا ہوں کہ خوں ریزی بُری چیز ہے تو پھر بھلا کیوں ہم بہت سی جانوں کو بلاوجہ ضائع کریں! بے چارے عوام کو خواہ مخواہ مروانے سے کیا فائدہ ہے۔ کل رات میں نے جو تمھارے پاس آکر صلح کی تو اس سے میرا مقصد خوں ریزی کو روکنا تھا۔"

مختصر یہ کہ شاہِ چین نے اسکندر اور اس کے وزیروں کا بڑے احترام سے استقبال کیا اور پھر دونوں بادشاہ اور ان کے وزرا شاہی محل میں جمع ہو گئے۔ اسکندر کے تمام سپاہیوں کو کھانا کھلایا گیا۔ لیکن خاص طور پر اسکندر کو ایک مخصوص دسترخوان پر بٹھا دیا گیا جہاں اسکندر اور بادشاہِ چین کے علاوہ کوئی اور نہیں تھا اور دسترخوان پر چمکتے ہوئے ہیرے جواہرات سے بھری ہوئی پلیٹیں بہت سجا کر رکھی گئی تھیں۔ کسی پلیٹ میں زمرد بھرا تھا تو کوئی پلیٹ کسی اور قیمتی قسم کے جواہرات سے پُر تھی۔ اسکندر نے اپنی زندگی میں ایسے جواہرات نہیں دیکھے تھے!

شاہِ چین نے کہا:

"آپ انھیں کھاتے کیوں نہیں؟"

اسکندر نے جواب دیا:

"میں انھیں نہیں کھاتا اور یہ میری غذا نہیں ہے!"

بادشاہِ چین بولا: "حیرت ہے! پھر تمھاری غذا کیا ہے؟"

اسکندر نے کہا: "گیہوں کی روٹی، چاول اور گوشت وغیرہ۔"

شاہِ چین گویا ہوا: "معافی چاہتا ہوں، میں نے سوچا شاید قیمتی اور نایاب جواہرات تمھاری غذا ہیں۔ ورنہ وہ پیٹ جو روٹی اور چاول سے بھر جاتا ہو تو کیا یونان اور روم میں یہ چیزیں نہیں ہیں کہ جن کی وجہ سے اتنی لمبی مسافت طے کر کے تم چین تک آئے ہو؟!"

خیالی پلاؤ اور پچاس کوڑے

کتاب "محاضرات" میں راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

ایک مرتبہ حجاج نے رات کے آخری حصے میں اپنے ساتھ دو تین اہلکاروں کو لیا اور کہا کہ آج میں خود شہر میں گھوم پھر کر دیکھنا چاہتا ہوں کہ مملکت کا کیا حال ہے۔ وہ ایک بازار سے گزر رہا تھا۔ ساری دکانیں بند ہو چکی تھیں البتہ ایک دکان کے اندر چراغ روشن تھا۔ اس نے جھانک کر دیکھا کہ دکان والا بیٹھا ہوا جوتوں کی مرمت کر رہا ہے اور ساتھ ہی ساتھ اکیلا خود سے باتیں کر رہا ہے۔ وہ بڑبڑا رہا تھا:

"آخر میں کب تک اس طرح زندگی گزاروں گا؟ ایسا نہیں ہو سکتا! مجھے سوچنا پڑے گا ——!"

پھر خود ہی جواب دیتے ہوئے کہنے لگا:

"کیوں نہیں! کل سے میں جو کماؤں گا اس کا آدھا بچا کر رکھوں گا!"

پھر اس نے اپنی آمدنی اور اخراجات کو دو برابر حصوں میں تقسیم کرتے ہوئے جمع ہونے والی ایک ماہ کی کل رقم کا حساب لگایا۔ پھر اسی طرح پورے سال کی بچت کا حساب کیا۔ اس طرح خیالی پلاؤ پکاتے ہوئے وہ اپنی جمع ہونے والی رقم کو تقریباً دس لاکھ تک لے گیا اور کہنے لگا:

"جب میری رقم دس لاکھ ہو جائے گی تو میں اس میں مزید اضافہ کر دوں گا اور اس کے بعد حجاج کی بیٹی سے شادی کر لوں گا۔ میں سارا سامان اُسے خود فراہم کروں گا۔ بدلے میں وہ بھی مجھے کوئی عہدہ دے دے گا۔ ایسی صورت میں حجاج کی بیٹی مجھ پر ناز کرے گی اور دل ہی دل میں خوش ہو گی۔ اسے کیا معلوم کہ میں پہلے جوتوں کی مرمت کرنے والا ہوا کرتا تھا۔ اگر اُس نے میری شان میں کوئی گستاخی کی اور مجھے اہمیت نہ دی تو میں یہ ہتھوڑی اس کے سر پر دے ماروں گا۔"

اُس کی باتیں ابھی یہیں تک پہنچی تھیں کہ حجاج نے اپنے کارندوں کو حکم دیا کہ اسے گھسیٹ کر دکان سے باہر نکالیں۔ بے چارے کو دکان سے باہر گھسیٹ لیا گیا اور حجاج نے اسے گالی دیتے ہوئے کہا:

"اے ذلیل آدمی! اتنی رات کو تُو میری بیٹی کا ذکر کر رہا تھا؟"

اور پھر اس نے اس دکان دار کو پچاس کوڑے لگوائے!

مسجدِ علیؑ کا خادم

ابو الفتح شہاب الدین مظفر اپنے زمانے کا ایک واقعہ نقل کرتے ہیں کہ میں سنہ ۵۲۵ھ میں عباسی خلیفہ المکتفیٰ باللہ اور اس کے دو وزیروں کے ساتھ جا رہا تھا۔ خلیفہ کہنے لگا:

"آؤ مسجدِ علیؑ چل کر دو رکعت نماز پڑھتے ہیں!"

جب ہم مسجد پہنچے تو کوئی خلیفہ کو نہیں پہچان سکا کیونکہ اُس نے عام لباس پہن رکھا تھا۔ خادم مسجد نے ہمیں دیکھا اور اُس نے ایک وزیر کو پہچان لیا۔ چنانچہ اس نے وزیر کی بڑی تعظیم و توقیر کی۔ اور ساتھ ہی اُس نے اپنے فقر و فاقہ کا ذکر کرتے ہوئے مال و دولت حاصل کرنے کی تمنا کا اظہار کیا۔

وزیر کو خلیفہ کے سامنے شرم محسوس ہوئی کہ خلیفہ کی موجودگی میں اُسے اہمیت دی جا رہی ہے۔ چنانچہ اس نے خادم کے سامنے خلیفہ کا تعارف کرا دیا تاکہ جو کچھ بھی مانگنا ہو وہ خلیفہ سے مانگے۔

خلیفہ نے اس خادم کی جانب کوئی توجہ نہیں دی اور وزیر سے کہا کہ اِس سے ایک ضروری بات پوچھو۔ اس سے پوچھو کہ ایک مرتبہ میں خلیفہ مستظہر باللہ کے ساتھ کافی پہلے اس مسجد میں آیا تھا اور اس وقت یہ خادم جب کھانا کھانے بیٹھا

تھا تو اس کے چہرے پر کافی بڑا سا ایک غدود اُبھر کر پھیلا ہوا تھا۔ اس غدود نے اس کا پورا منہ ڈھانپ لیا تھا۔ اور جب یہ کوئی چیز کھاتا تھا تو مجبوراً اسے رومال سے پکڑ کر اپنا غدود ہونٹوں پر سے ایک طرف ہٹانا پڑتا تھا اور اس طرح یہ غذا کا کوئی لقمہ کھاتا تھا۔ اب اس کے چہرے پر وہ غدود موجود نہیں ہے۔ اس سے پوچھو کہ وہ بہت بڑا سا گوشت جس نے اس کے چہرے کو چھپا رکھا تھا کہاں چلا گیا؟

وزیر نے خادم سے مخاطب ہو کر کہا:

"خلیفہ کیا فرماتے ہیں تم نے سُنا؟"

اس خادم نے بتایا:

"وہ غدود ولیوں کے بادشاہ، قمرِ ہدایت، اسد اللہ الغالب علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے ذریعے ختم ہو گیا!"

اس سے سوال کیا گیا کہ یہ بیماری کس طرح دور ہوئی اور کیا واقعہ پیش آیا؟

خادم نے بتایا:

میں صبح سے رات گئے تک اسی مسجد میں رہتا تھا اور اس کے بعد واپس چلا جاتا تھا۔ ایک دن جب میں مسجد آ رہا تھا تو دو ناصبی افراد نے مجھے کافی بُرا بھلا کہا اور ساتھ ہی یہ جملہ بھی کہا کہ اتنے عرصے اگر تم مسجدِ علیؑ جانے بجائے کسی طبیب کے پاس جاتے تو تمہارا علاج ہو جاتا۔

ان کا یہ جملہ میرے دل پر بُری طرح اثر انداز ہوا۔ میں اتنا غمگین ہوا کہ اس سے پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ میں رات بھر بے چینی کی وجہ سے سو نہ سکا۔ یہاں تک کہ رات کے آخری حصے میں جب ذرا سی آنکھ لگی تو میں نے خواب دیکھا کہ حضرت علیؑ اسی مسجد میں جلوہ افروز ہیں۔ قریب جا کر میں نے ان سے اپنے غدود کی شکایت کی اور کہا کہ اس نے میرا پورا چہرہ چھپا لیا ہے۔ اور لوگ اس کی وجہ سے مجھے طعنہ دینے

لگے ہیں۔

میری بات سُن کر مولاؑ نے اپنا رُخ پھیر لیا۔ میں اسی جانب گیا اور دوبارہ کہا: مولاؑ! لوگ مجھے تنگ کرتے ہیں اور طعنہ دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ اتنا عرصہ ہو گیا ہے اور علی علیہ السلام نے تمھاری فریاد رسی نہیں کی!

امام علی علیہ السلام نے فرمایا:

"تم دنیا کے طالب ہو۔"

اور یہ کہتے ہوئے میرے چہرے کی طرف اشارہ کیا۔ اس کے بعد جب میں نیند سے بیدار ہوا تو میں نے دیکھا کہ میرا غدود بالکل ختم ہو چکا ہے اور اس کا کوئی نام و نشان چہرے پر موجود نہیں۔

امام مہدیؑ کے وسیلے بینائی مل گئی

ثقۃ الاسلام نوری "کتاب "کشف الاسرار" میں لکھتے ہیں:

۱۳۱۷ھ ہجری میں شہر نجف کے اندر ایک سُنّی گھرانے کے ساتھ بہت ہی اہم واقعہ پیش آیا:

نجف میں ایک شخص سید عبد الحمید رہا کرتے تھے اور ان کا ایک اسکول بھی تھا جس کے ہیڈ ماسٹر وہ خود ہی تھے۔ اس کے علاوہ نجفِ اشرف میں وہ ایک خطیب اور قاری کی حیثیت سے معروف تھے۔ عقائد کے اعتبار سے وہ سُنّی تھے۔

ایک مرتبہ ایک خاتون ملکہ بنتِ ملا علی کے سر میں شدید درد اُٹھا اور صبح ہونے تک اس کی دونوں آنکھوں کی بینائی بھی ختم ہو گئی۔

سید عبد الحمید لکھتے ہیں کہ مجھے اس ناخوشگوار واقعہ کی اطلاع دی گئی تو میں نے کہا کہ اس کا کوئی علاج نہیں ہے سوائے اس کے کہ مشکل کشا اپنا کوئی لطف و کرم فرما دیں۔ آج رات حرم امیر المومنینؑ میں زائرین کا اژدہام نہیں ہے تم وہاں جا کر اُن کے وسیلے سے دعا کرو۔

رات آئی تو مولا علیؑ کے دامن سے وابستگی کے باعث اسے کچھ آرام نصیب ہوا۔ دو تین دن اور رات مسلسل جاگنے کے بعد اب ملکہ کو نیند آ گئی اور

اُس نے خواب دیکھا کہ وہ حضرت علی علیہ السّلام کے روضے پر پہنچ گئی ہے اور وہاں اُسے ایک نورانی صورت نظر آئی جس نے ملکہ سے کہا:

"گھبراؤ نہیں، ٹھیک ہو جاؤ گی!"

ملکہ نے پوچھا:

"آپ کون ہیں؟"

اس نورانی صورت نے کہا:

"میں مہدیٔ آلِ محمدؐ ہوں!"

عورت یہ خواب دیکھ کر بیدار ہوئی لیکن اس کی حالت میں کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔ البتہ اس بشارت کی وجہ سے دل مطمئن ہو گیا تھا۔

آنے والی صبح بدھ کا دن تھا۔ اُس نے کہا مجھے وادی السّلام میں موجود مقامِ مہدیؑ پر لے چلو۔ ماں، بہن اور دوسرے رشتہ دار اُسے مقامِ مہدیؑ پر لے گئے اور وہاں محراب میں بٹھا دیا۔ یہ بے چاری وہاں بیٹھ کر حضرت امام مہدی عجل اللہ تعالیٰ فرجہ سے رو رو کر دعا و التجا کرنے لگی۔ یہاں تک کہ اس پر غشی کی سی کیفیت طاری ہو گئی۔ اِس حالت میں اُس نے دیکھا کہ دو بزرگوار تشریف لائے ہیں ان میں سے ایک تو وہی ہیں جن کی نورانی صورت وہ پہلے بھی خواب میں دیکھ چکی تھی اور ایک دوسرے بزرگوار ہیں۔ ان دُوسرے بزرگوار نے سامنے آ کر فرمایا:

"اے ملکہ! خدا نے تمھیں شفا عنایت کر دی ہے۔ اور اب تم مطمئن ہو جاؤ۔"

ملکہ نے پوچھا:

"آپ کون ہیں؟"

انھوں نے فرمایا:

"میں علیؑ ابن ابی طالبؑ ہوں اور یہ میرے بیٹے مہدیؑ ہیں!"

پھر علیؑ کے اس فرزند نے ملکہ کی آنکھوں کی طرف اشارہ فرمایا تو وہ فوراً ٹھیک ہو گئیں۔ اِس طرح امام مہدیؑ کے وسیلے سے ملکہ کو بینائی مل گئی۔ بینائی پاتے ہی خوشی کے عالم میں اُس نے اپنی ماں کو چیخ چیخ کر بتایا کہ میں بالکل ٹھیک اور شفایاب ہو گئی ہوں!

پھر یہ لوگ خوشی خوشی وادی السّلام سے نجفِ اشرف واپس لوٹے۔

امام مہدیؑ کے اس معجزے کے نتیجے میں یہ خاندان اور اس کے ساتھ متعدد خاندان بھی شیعہ ہو گئے!

اسے کہتے ہیں امامؑ کی جانب سے خصوصی ہدایت۔

حضرت سلیمانؑ بھی مر گئے

صحیح روایات میں ہے کہ جب حضرت سلیمانؑ پندرہ سال کے ہوئے تو اُن کے والد حضرت داؤدؑ اس دنیا سے اٹھ گئے اور ساری سلطنت ان کی جانب منتقل ہو گئی۔ انھوں نے چالیس سال تک بادشاہت کی اور پچپن سال تک زندہ رہے۔

جنوں نے اُن کے لیے بڑے بڑے محل بنائے تھے۔ ایسے ہی محلوں میں ایک محل شیشے کا تھا۔ اس محل کے چاروں طرف آئینے لگے ہوئے تھے۔ حضرت سلیمانؑ جب اپنے لشکر اور سلطنت کی وسعتوں کا معائنہ کرنا چاہتے تھے تو بلندی پر موجود شیشے کے اُس محل میں جا کر آئینے کی مدد سے پورے شہر اور لشکر والوں کا اچھی طرح جائزہ لے لیتے تھے۔

اپنی عُمر کے پچپن سال مکمل کرنے کے بعد ایک دن انھوں نے کہا:

"آج میں بالکل آرام سے رہنا چاہتا ہوں۔ کسی قسم کی کوئی بری حرکت میں نہ سُنوں اور کوئی بھی شخص مجھ سے ملنے نہ آئے۔"

یہ کہہ کر حضرت سلیمانؑ نے عصا ہاتھ میں لیا اور شیشے کے محل میں پہنچ گئے۔ پھر وہ عصا پر ٹیک لگا کر شہر کا معائنہ کرنے لگے۔ اچانک انھوں نے دیکھا

کہ ایک نوجوان بڑی تیزی سے اُوپر سے اُن کی جانب چلا آرہا ہے۔ اُسے دیکھ کر سلیمانؑ کو وحشت محسوس ہونے لگی۔ یہاں تک کہ وہ جوان قریب آگیا۔

سلیمانؑ نے پوچھا:

"تمھیں محل میں کس نے آنے دیا؟ اور یہ اجازت تم نے کس سے حاصل کی؟!"

اُس جوان نے جواب دیا:

"اس گھر کے مالک نے مجھے بھیجا ہے!"

یہ جواب سُن کر حضرت سلیمانؑ سمجھ گئے کہ آنے والا فرشتہ ہے کیونکہ گھروں اور محلوں کا اصل مالک خدا ہے۔ (آدمی کو سوچنا چاہیے کہ خود اس کی اپنی ذات کا مالک خدا ہے۔ میرے پاس اتنا مال و دولت ہے نہیں کہنا چاہیے) مختصر یہ کہ حضرت سلیمانؑ سمجھ گئے کہ آنے والا خدا کے حکم پر مامور ہے۔

لہٰذا آپؑ نے پوچھا:

"بتاؤ تم کون ہو اور کس کام سے آئے ہو؟"

اُس نے کہا:

"میں ملک الموت ہوں!"

یہ جواب سُن کر سلیمانؑ رنجیدہ ہو گئے اور اُس سے پوچھا:

"تم مجھ سے ملنے آئے ہو یا میری رُوح قبض کرنے آئے ہو؟"

اُس نے کہا:

"میں آپؑ کی رُوح قبض کرنے آیا ہوں!"

حضرت سلیمانؑ نے کہا:

"مجھے تھوڑی سی مہلت دے دو تا کہ میں اپنے محلوں سپاہیوں کے دستوں

اور مملکت کے دیگر امور کی انجام دہی کے لیے اپنا کوئی جانشین مقرر کر دوں۔"

ویسے بھی حضرت سلیمانؑ ابھی حال ہی میں بیت المقدس کی تعمیر سے فارغ ہوئے تھے اور چاہتے تھے کہ تمام امور کو منظم کر دیں۔

عزرائیلؑ نے کہا:

"یہ نہیں ہو سکتا!"

یہاں تک کہ اس نے بیٹھنے یا لیٹنے کی مہلت بھی نہیں دی اور اسی حالت میں کہ وہ عصا کا سہارا لیے ہوئے کھڑے تھے اُن کی رُوح قبض کر لی! اِس طرح اتنی بڑی مملکت کے بادشاہ حضرت سلیمانؑ بھی مر گئے۔

حضرت سلیمانؑ نے شیشے کے محل میں جاتے وقت چونکہ تمام جن و انس اور لشکر والوں کو منع کر دیا تھا کہ کوئی بھی ان کے پاس نہ آئے لہٰذا وہ ایک سال تک اسی طرح حضرت سلیمانؑ کو عصا کے سہارے کھڑا ہوا دیکھتے رہے اور کسی میں اُن کے قریب جانے کی جرأت نہ ہوئی! کوئی کہتا تھا جادُو کر رکھا ہے اور کسی کا کہنا تھا کہ جان بوجھ کر ایسا کر رہے ہیں تاکہ نافرمانی کرنے والے کو سزا دیں۔

حضرت سلیمانؑ کے خوف سے اجنّہ بھی اپنا اپنا کام انجام دے رہے تھے۔ اسی طرح پورا ایک سال گزر گیا۔ اس کے بعد جب ارادۂ الٰہی ہوا تو دیمک کو حکم ہوا کہ عصا کو چاٹنا شروع کر دے۔ اس کے نتیجے میں جب عصا میں خول پیدا ہوا تو اس کے ساتھ ہی حضرت سلیمانؑ کا جسم بھی گر پڑا۔ اس دیمک کے علاوہ کوئی اور چیز نہیں تھی جو انھیں یہ سمجھاتی کہ حضرت سلیمانؑ مر چکے ہیں۔ اگر وہ پہلے ہی یہ جان لیتے تو ایک سال تک اس طرح ان کے حکم کی پابندی کرتے ہوئے زحمتوں اور پابندیوں کے ساتھ زندگی نہ گزارتے۔

بُرے لوگ اور علّامہ مجلسیؒ

ایک مومن حاجی، مجلسیٔ اوّلؒ کا بڑا معتقد تھا۔ ایک مرتبہ چند بُرے لوگ اس کے ارد گرد جمع ہو گئے اور کہنے لگے:

"آج کی رات ہم تمھارے گھر آئیں گے!"

حاجی نے سوچا کہ اگر یہ لوگ میرے گھر آئیں گے تو لہو و لعب اور فسق و فجور میں ساری رات گزاریں گے اور اگر میں انھیں منع کروں گا تو یہ مسلسل مجھ سے اُلجھتے رہیں گے۔ بالآخر وہ مردِ مومن علّامہ مجلسیؒ کی خدمت میں پہنچا اور ان سے اپنے اس مسئلہ کا حل دریافت کیا۔

علّامہ مجلسیؒ نے تھوڑی دیر سوچ کر فرمایا:

"اُن سے کہہ دو کہ گھر پر آجائیں اور میں خود بھی تمھارے گھر آرہا ہوں۔"

پھر اِس سے پہلے کہ وہ بُرے لوگ آتے علّامہ مجلسیؒ اُس مردِ مومن کے گھر پہنچ گئے۔ جب وہ لوگ آئے تو انھوں نے دیکھا کہ علّامہ مجلسیؒ موجود ہیں۔ انھوں نے سوچا کہ علّامہ ان کے لیے دردِ سر بن جائیں گے۔ کیونکہ ان کے ہوتے ہوئے وہ کوئی بُرائی نہیں کر سکتے تھے۔ لہٰذا انھوں نے یہ طے کیا کہ کوئی ایسی بات علّامہ کے سامنے کر دی جائے جسے سُن کر وہ غصّے میں آجائیں اور پھر یہاں سے اُٹھ کر چلے

جائیں۔ چنانچہ انھوں نے کہا:

"جنابِ محترم! ہم لوگوں میں آخر کیا بُرائی ہے جو آپ ہم پر اعتراض کرتے ہیں؟"

علّامہ نے فرمایا:

"آخر تم میں کون سی خوبی ہے کہ جس کی میں تعریف کروں؟"

انھوں نے کہا:

"ہم میں ہزاروں عیب ہیں لیکن ہم نمک حرام نہیں ہیں۔ اگر کسی کا نمک کھاتے ہیں تو اس کے ساتھ دھوکا اور خیانت نہیں کرتے بلکہ مرتے دم تک یاد رکھتے ہیں۔"

علّامہ مجلسیؒ نے فرمایا:

"یہ تو بہت اچھی صفت ہے لیکن میں اسے تمھارے اندر نہیں پاتا۔"

ان میں سے ایک نے کہا:

"آپ اصفہان کے کسی بھی شخص سے پوچھ لیں اور دریافت کرلیں کہ ہم نے کس شخص کا نمک کھا کر اُس کے ساتھ بُرائی کی ہے؟!"

علّامہ مجلسیؒ نے فرمایا:

"میں خود اس بات کا گواہ ہوں کہ تم سب کے سب نمک حرام ہو! تم اپنے پروردگار کے ساتھ کیا کرتے ہو؟! اے خدا کا کھا کر اسی کی پلیٹ میں سوراخ کرنے والو! تم خدا کی اتنی بہت سی نعمتیں کھا کر اور ان سے فائدہ اُٹھا کر اس طرح اس کی سرکشی اور نافرمانی کرتے ہو! اور اپنی خواہشاتِ نفسانی کی پیروی کرتے ہو؟!"

علّامہ مجلسیؒ کی یہ بات حقیقت کے عین مطابق تھی لہٰذا اتنی مؤثر ثابت

ہوئی کہ اُن کے سر شرم سے جُھک گئے اور وہ کوئی بات نہ کرسکے۔ کچھ دیر تک مکمل سکوت طاری رہا اور پھر سب کے سب چلے گئے۔

رات ختم ہوئی اور صبح سویرے ان بُرے لوگوں نے علّامہ مجلسیؒ کے گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا اور ان میں سے ایک بولا:

"محترم علّامہ! کل رات آپ نے ہمارے سوئے ہوئے ضمیر کو جھنجوڑ کر رکھ دیا اور ہمیں خوابِ غفلت سے جگا دیا۔ اب ہمیں توبہ کرنے کا طریقہ بتائیے!"

علّامہ مجلسیؒ ان کے ساتھ بڑی مہربانی سے پیش آئے۔ انھیں توبہ کا طریقہ بتایا اور گزشتہ گناہوں کی تلافی کرنے کی جانب ترغیب دلائی۔

کوفہ کا محل اور کٹے ہوئے سر!

تاریخ میں لکھا ہے کہ عبدالملک مروان تختِ حکومت پر آیا تو اس وقت مصعب ابن زبیر نے "عراقین" پر قبضہ کر رکھا تھا۔ عبدالملک شام سے لشکر لے کر آیا اور اس نے مصعب سے جنگ کی اور آخر کار اس جنگ میں مصعب مارا گیا اور اس نے کوفہ کو فتح کر لیا۔

عبدالملک مروان کوفہ کے محل میں بیٹھا ہوا تھا۔ یہ اس کے لیے عیش و عشرت اور خوشیاں منانے کا دن تھا۔ اس نے بڑی خوشی کی حالت میں تخت پر بیٹھ کر حکم دیا:

"مصعب کا کٹا ہوا سر لایا جائے۔"

یہ سن کر ایک عرب کانپ اٹھا اور اس پر لرزہ طاری ہو گیا۔ جب عبدالملک نے اس کی وجہ پوچھی تو اس نے بتایا:

اے امیر! کچھ عرصہ قبل اسی دربار میں، میں نے دیکھا کہ ابنِ زیاد تخت پر بیٹھا ہوا تھا اور اس کے سامنے فرزندِ زہراؑ حضرت امام حسین علیہ السلام کا سر لایا گیا۔ پھر کچھ دن بعد اسی دربار میں، اسی تخت پر مختار بیٹھا تھا اور اس کے سامنے ابنِ زیاد کا کٹا ہوا سر لایا گیا۔ پھر کچھ دن بعد اسی دربار میں اسی تخت پر مصعب

بیٹھا تھا اور اس کے سامنے مختار کا سر لایا گیا۔

اور آج اسی جگہ تو بیٹھا ہے اور مصعب کا سر لایا گیا ہے۔ تو اس معمول کو دیکھ کر میں کانپ اٹھا ہوں کہ خدا بہتر جانتا ہے کہ آگے کیا ہو؟!!

علاّمہ بحرالعلوم کے شاگرد کا بھوکا پڑوسی

فقیہ بزرگوار جواد عاملی کتاب "مفتاح الکرامۃ" کے مؤلف ہیں۔ وہ رات کا کھانا کھانے بیٹھے ہی تھے کہ اتنے میں دروازے پر دستک ہوئی اور کسی شخص نے آکر کہا:

"تمھارے اُستاد سید علامہ بحرالعلوم تمھیں بُلا رہے ہیں!"

علاّمہ بحرالعلوم بڑے پایہ کے عالم تھے۔ وہ عالمِ معنوی کی حیرت انگیز باتوں سے آشنا تھے اور وہ صاحبِ مکاشفہ بھی تھے (یعنی دوسروں کے حال کو جان سکتے تھے) استادِ محترم کا حکم پاکر جواد عاملی فوراً ہی بحرالعلوم کی خدمت میں پہنچ گئے۔ دیکھا کہ استاد دسترخوان پر بیٹھے ہیں اور ان کا چہرہ متغیر ہے۔

شاگرد نے اجازت لی اور ایک طرف بیٹھ گیا۔ استاد کے غیظ و غضب کو دیکھتے ہوئے شاگرد نے بڑے ادب سے پوچھا:

"کس وجہ سے میں آپ کے غضب کا نشانہ بن رہا ہوں؟"

بحرالعلوم نے فرمایا:

"ہفتہ بھر ہو گیا ہے کہ تمھارے پڑوسی کے گھر میں کوئی کھانے کی چیز موجود نہیں ہے اور پورے ہفتہ بھر سے تمھارا پڑوسی دکان دار سے کھجوریں اُدھار لے

لے کر گزارہ کر رہا تھا اور اُس کے بیوی بچے یہی کھجوریں کھا کر پیٹ بھرتے تھے۔ لیکن آج وہ اُدھار لینے گیا تو دکان دار نے اُس سے یہ کہہ دیا کہ تمھارا قرض کافی بڑھ چکا ہے۔ یہ سُن کر تمھارے پڑوسی نے شرم کے مارے اُس سے مزید ادھار نہیں لیا۔ اور اب اُس کے بچے بھوک کی وجہ سے سو نہیں پا رہے ہیں!"

سید جواد نے کہا:

"مجھے یہ نہیں معلوم تھا!"

بحرالعلوم نے فرمایا:

"اگر تمھیں یہ معلوم ہوتا اور تم اُس کی مدد نہ کرتے تو اسلام سے خارج ہو جاتے اور تم زمین میں دھنس چکے ہوتے! میں تو تمھیں اِس لیے تنبیہ کر رہا ہوں کہ تم اپنے پڑوسی سے اتنے غافل کیوں رہے اور ایک ہفتہ اُس پر اِس طرح گزر گیا! اب یہ کھانے کے برتن ملازم کے ساتھ لے کر اپنے پڑوسی کے گھر جاؤ۔ اُس کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاؤ اور پھر یہ رقم کا تھیلا اُسے دے کر واپس یہاں آؤ تاکہ میں کھانا کھا سکوں!"

شاگرد نے یہ کام انجام دینا شروع کیا۔ اور ملازم گھر تک کھانا پہنچانے کے بعد واپس چلا گیا۔ جب سید جواد کھانا لے کر پڑوسی کے گھر پہنچے تو غذا کو دیکھ کر وہ سمجھ گیا کہ یہ اُن کی طرف سے نہیں ہے۔ پڑوسی کہنے لگا:

"جب تک تم یہ نہیں بتاؤ گے کہ کھانا کہاں سے لائے ہو میں نہیں کھاؤں گا"

سید جواد کھانے پر اصرار کرتے رہے اور پڑوسی انکار کرتا رہا۔ یہاں تک کہ مجبوراً سید جواد نے سارا ماجرا بیان کر دیا اور صاف صاف بتا دیا کہ یہ کھانا بحرالعلوم نے بھیجا ہے۔

یہ سُن کر جواد عاملی کے محترم پڑوسی نے کہا:

"میرا خدا گواہ ہے کہ میری حالت سے اُس کے علاوہ کوئی اور باخبر نہیں تھا!"

میں چاہتا ہوں بحر العلوم کی اِس بات کو دُہراؤں جو انھوں نے اپنے شاگرد سے کہی تھی کہ اگر تمھیں یہ معلوم ہوتا اور تم اُس کی مدد نہ کرتے تو اسلام سے خارج ہو جاتے اور زمین میں دھنس چکے ہوتے۔

اِس ضمن میں یہ کہنا چاہوں گا کہ آجکل جو لاؤڈ اسپیکر پر کئی کئی گھنٹے اور رات گئے تک بلند آواز سے جو پڑوسیوں کو اذیّت پہنچاتے ہیں اُن کا کیا انجام ہوگا؟! پڑوسیوں کو اس طرح تکلیف پہنچانا حرام ہے خواہ تلاوتِ قرآن اور مجالس و محافل ہی کی صورت میں کیوں نہ ہو۔ رات گئے تک شور شرابے کی وجہ سے ہو سکتا ہے کہ پڑوس میں کسی بیمار کو تکلیف پہنچ جائے یا کوئی نومولود اور کم سِن بچّہ اِس سے متاثر ہو!

سمرہ اور کھجور کا درخت

سمرہ بن جندب بظاہر ایک مسلمان تھا لیکن عدل و انصاف کے مفہوم سے بالکل نا آشنا تھا۔ وہ ایک بے وقوف، لالچی، گُستاخ اور ہٹ دھرم شخص تھا۔ وہ ایک کھجور کے درخت کا مالک تھا جو ایک انصاری کے گھر میں لگا ہوا تھا۔ جب اسے اپنے درخت کی دیکھ بھال کی ضرورت ہوتی تو انصاری کے گھر کچھ کہے سُنے بغیر گھس جاتا تھا۔ وہ انصاری اسے سمجھاتا اور کہتا:

"اے سمرہ! ٹھیک ہے میرے گھر میں تمھارا کھجور کا درخت ہے۔ تم اس کی دیکھ بھال کے لیے یہاں آنے جانے کا حق رکھتے ہو لیکن جب آؤ تو کم از کم آواز دے دیا کرو!"

یہ سُن کر سمرہ نے بڑی بے شرمی سے کہا:

"مجھے آنے جانے کا پورا حق حاصل ہے تو میں اجازت کس بات کی لوں؟"

بالآخر اُس انصاری نے حضور صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے اس کی شکایت کی اور کہا:

"یا رسولؐ اللہ! سمرہ میرے گھر میں آنے جانے کے سلسلے میں حقِ شراکت رکھتا ہے لیکن میں اسے جتنا بھی سمجھاؤں وہ بغیر اطلاع دیے گھر میں چلا آتا ہے۔

گھر کے اندر بیوی بچے ہوتے ہیں اور وہ اس کی کوئی پرواہ نہیں کرتا۔"

آنحضرتؐ نے سمرہ کو بلوایا اور پوچھا:

"تمھارا شریک ایسی باتیں کہتا ہے اور یہ کہہ رہا ہے کہ جب تم اس کے گھر جاتے ہو تو بغیر اطلاع دیے ہوئے گھر میں گھس جاتے ہو؟"

سمرہ نے جواب دیا:

"کھجور کا درخت میرا ہے۔ مجھے وہاں آنے جانے کا حق حاصل ہے تو میں کس بات کی اجازت لوں؟"

آنحضرتؐ نے اس سے کہا:

"کیا تم اپنا یہ کھجور کا درخت دوسرے کھجور کے درخت کے بدلے بیچنے کو تیار ہو؟ یہ درخت دے کر دوسرا ایسا ہی درخت کسی اور جگہ لینے پر آمادہ ہو؟"

اُس نے کہا:

"نہیں!"

آنحضرتؐ نے فرمایا:

"اچھا اس کے بدلے دو درخت لے لو۔"

اس نے کہا:

"نہیں!!"

یہاں تک کہ آپؐ نے اسے دس درختوں تک کی پیش کش کر دی۔ اس کے باوجود اُس نے کہا کہ میں یہ معاملہ کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں۔

پھر نبی کریمؐ نے فرمایا:

"آؤ ایک دوسرا سودا کر لو۔ فنا ہونے والی چیز کو باقی رہنے والی چیز کے عوض فروخت کر دو۔ تم مجھے اپنا کھجور کا درخت اس کھجور کے درخت کے بدلے

میں بیچ دو جو کبھی فنا نہیں ہوگا!"

اِس کے باوجود اُس ہٹ دھرم نے کہا:

"ہرگز نہیں، میں اِس کے لیے بھی تیار نہیں ہوں!"

اُس کا یہ جواب سُن کر ایک روایت کے مطابق جسے سب ہی نے نقل کیا ہے نبیٔ اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا:

"تم ایک نقصان پہنچانے والے شخص کے علاوہ اور کچھ نہیں ہو! اسلام میں نہ نقصان برداشت کرنے کا حکم ہے اور نہ ہی نقصان پہنچانے کا!"

یہ ارشاد فرمانے کے بعد آپؐ نے حکم دیا کہ اس کے درخت کو جڑ سے اُکھاڑ کر اس کے سامنے ڈال دو۔ یہ جہاں چاہے وہاں جاکر اپنا درخت لگالے۔

سمرہ دنیا کا حریص بن چکا تھا یہی وجہ تھی کہ وہ حضرت علی علیہ السّلام کا دشمن بن گیا۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی رحلت کے بعد جب اس نے دیکھا کہ پیسہ اور دنیا معاویہ کے پاس ہے تو وہ شام چلا گیا۔

معاویہ نے اس سے کہا:

"اگر تم منبر پر جاکر حضرت علی علیہ السّلام پر الزام تراشی کرو اور یہ کہو کہ میں نے پیغمبر اکرمؐ سے سُنا ہے کہ یہ آیت وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ۔ (نعوذ باللہ) قاتل علیؑ کی شان میں نازل ہوئی ہے! اور اس طرح آیت کو ابن ملجم سے منسوب کر دو۔ حالانکہ یہ آیت مولائے کائنات علی ابن ابی طالب علیہ السّلام کی شان میں شبِ ہجرت نازل ہوئی ہے۔"

مختصر یہ کہ معاویہ نے یہ جھوٹی حدیث بیان کرنے کے لیے سمرہ کو ایک لاکھ درہم کی پیش کش کی۔ اس نے کہا:

"اتنے بڑے جھوٹ کے لیے ایک لاکھ درہم بہت کم ہیں۔"

معاویہ نے کہا:

"اچھا! دو لاکھ لے لو اور حضرت علی علیہ السلام کی شان میں نازل ہونے والی آیت کو اُن کے قاتل سے منسوب کر دو۔"

اُس نے کہا:

"نہیں! یہ رقم بھی کم ہے۔"

پھر حاکمِ شام نے تین لاکھ کی پیش کش کی لیکن اس نے انکار کر دیا اور پھر معاملہ چار لاکھ درہم پر طے پایا۔ اس کے بعد وہ جمعہ کے دن مسلمانوں کے سامنے منبر پر گیا اور کہنے لگا:

"میں نے خود پیغمبرِ اکرمؐ سے سُنا ہے کہ آپؐ نے فرمایا یہ آیت ابن ملجم کی مدح میں نازل ہوئی ہے!!"

اِس من گھڑت حدیث کو سُن کر کسی نے بھی اِس پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔ خود حضورِ اکرمؐ اس کے بارے میں فرما چکے تھے کہ دنیا میں دولت کی اتنی زیادہ ہوس رکھنے والا اس دنیا کی آگ میں جل کر مرے گا۔

چنانچہ ہوا بھی یہی کہ ایک دیگ میں پانی اُبل رہا تھا۔ اس بدبخت کا پاؤں پھسلا اور وہ ابلتے ہوئے دیگ کے پانی میں گر کر خود بھی اُبل کر پک گیا۔ اِس طرح اس دنیا سے اس ناپاک وجود کا خاتمہ ہو گیا۔

بہشت کی دُعا کرنے والا مومن

کہتے ہیں کہ ایک مومن مسجد میں بیٹھا ہوا دعا کر رہا تھا کہ خداوندا! ان تمام مومنین کو جو یہاں موجود ہیں معاف کر دے اور انھیں بہشت میں جگہ عنایت فرما۔ یہ دعا کر کے وہ مسجد سے باہر نکلا تو ایک مسافر نے اُس سے آکر کہا:

"تمھارے لیے خوش خبری ہے، تمھارے قبیلے والا دو، کا ایک آدمی مر گیا ہے اور اس کے تنہا وارث تم ہی ہو۔ یہ لو اشرفیوں کا یہ تھیلا بطور میراث تمھارے لیے ہے!"

اتنا بہت سا مال لے کر وہ دوبارہ مسجد میں آیا اور لوگوں سے کہنے لگا کہ سب کے سب بیٹھ جائیں۔ پھر اس نے اشرفیوں کا وہ تھیلا لوگوں کے سامنے کھول دیا اور یہ اعلان کیا:

جس کے اوپر کوئی بھی قرض ہو یا کوئی پریشانی ہو وہ مومن آئے اور اس میں سے لے جائے۔ یہاں تک کہ اس نے ساری رقم بانٹ دی۔

یہ دیکھ کر اس کے ایک ساتھی نے کہا:

"اے مردِ مومن! تم نے یہ کیا کیا؟ تم نے اپنے لیے تو کچھ بھی نہیں رکھا!"

اس مردِ مومن نے جواب دیا:

"ابھی تھوڑی دیر پہلے میں خدا سے یہ دعا کر رہا تھا کہ پروردگارا ! ان سب کو بہشت میں جگہ عطا فرما۔ جب میں نے بہشت میں ان کے لیے ہمیشہ باقی رہنے والی نعمتوں کی خواہش کی ہے تو بھلا پھر میں انھیں دنیا کی فنا ہو جانے والی چیز سے کیسے محروم رکھ سکتا ہوں۔"

ایک غلطی کی وجہ سے حکومت چلی گئی

مروان حمار بنی امیہ کا آخری خلیفہ ہے۔ جس وقت سفاح نے لشکر لے کر چڑھائی کی تو مروان بھی اس سے کئی گنا بڑا لشکر لے کر اس کے مقابلے پر آیا۔ یہ لشکر پوری طرح مسلح تھا اور اس کے سپاہی تجربے کار تھے۔ خود مروان کو بھی مکمل اطمینان تھا اور وہ خود بھی محاذِ جنگ پر گیا۔ اُس کے سپاہیوں کی تعداد ایک لاکھ سے زیادہ تھی۔

حیرت انگیز بات یہ ہوئی کہ جنگ شروع ہونے سے پہلے مروان کو پیشاب کی شدید حاجت ہوئی اور وہ اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکا۔ کوئی ایسی جگہ بھی اُسے نظر نہیں آئی جہاں چھُپ کر وہ رفع حاجت کر سکے۔ بالآخر وہ گھوڑے سے اُتر کر ایک جانب دوڑا۔

لشکر والوں نے جب مروان کے گھوڑے کو خالی دیکھا تو وہ سمجھے کہ مروان قتل کر دیا گیا ہے۔ چنانچہ اس کا سارا لشکر بھاگنے لگا۔

سفاح کے سپاہیوں نے بھاگتے ہوئے لشکر کا تعاقب کیا۔ مروان کے بہت سے سپاہی مارے گئے۔ کچھ قیدی بنے اور کچھ زخمی ہوئے۔

سفاح کے سپاہیوں نے مروان کو پکڑ کر اس کی زبان کاٹ کر

پھینک دی اور ایک بلی نے اسے کھا لیا!

اِس طرح ______

اتنی بڑی اموی حکومت ایک غلطی کی وجہ سے ختم ہو گئی!!!

حضرت عُزیرؑ سو سال تک مُردہ رہے

سورۂ بقرہ میں خداوندِ عالم نے حضرت عُزیرؑ کا واقعہ بیان فرمایا ہے۔ ان آیتوں کی شانِ نزول اور تفسیر کا خلاصہ کچھ یوں ہے:

حضرت عُزیرؑ بنی اسرائیل کے انبیاؑ میں سے ہیں۔ وہ پوری توراۃ کے حافظ تھے اور بیت المقدس میں لوگوں کو تعلیم دیا کرتے تھے۔ اس طرح وہ یہودیوں کی رہنمائی کے فرائض انجام دینے پر مامور تھے۔

ایک مرتبہ وہ اپنے خچر پر سفر کر رہے تھے۔ ان کے ساتھ روٹی اور انگور کی کچھ مقدار بھی موجود تھی۔ جب وہ ایک گاؤں میں پہنچے تو انھوں نے دیکھا کہ اس گاؤں کے سارے لوگ ہلاک ہو چکے تھے اور ان کی بوسیدہ ہڈیوں کے سوا کچھ باقی نہیں بچا تھا۔ یہ دیکھ کر حضرت عُزیرؑ نے حیرت سے کہا:

"خداوندا! تو ان بوسیدہ ہڈیوں کو اور منتشر ہو جانے والے اجزا کو کس طرح دوبارہ زندہ فرمائے گا؟"

(یہاں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ حضرت عُزیرؑ کا یہ استفسار صرف حیرت اور تعجب کے اظہار کے لیے تھا وہ قیامت کے منکر نہیں تھے۔)

خداوندِ عالم نے عُزیرؑ کو اچھی طرح مشاہدہ کروانے اور سمجھانے کے لیے

کہ تمھارے نزدیک قیامت (مُردوں کو دوبارہ زندہ کرنا) حیرت انگیز امر ہے لیکن خدا کے نزدیک یہ کوئی بڑی بات نہیں۔ فوراً ہی انھیں موت دے دی۔ وہ اس مقام پر سو سال تک اسی حالت میں پڑے رہے اور ان کی ہڈیاں بالکل بوسیدہ ہوگئیں۔ البتہ حیرت انگیز بات یہ تھی کہ انگور بالکل اسی طرح تر و تازہ رہے!

سو سال کے بعد خداوندِ قیوم نے عُزیرؑ کو زندہ کیا اور ایک فرشتے کو انسانی صورت میں ان کے پاس بھیجا۔ اُس نے پوچھا:

"تمھیں یہاں آئے ہوئے کتنا عرصہ ہوا؟"

عُزیرؑ نے کہا:

"ایک دن یا اس سے کچھ کم مدّت ہوئی!"

فرشتے نے بتایا:

"نہیں! بلکہ تمھیں یہاں آئے ہوئے سو سال ہو چکے ہیں اور سو سال تک تم یہیں پڑے رہے ہو۔ ذرا اپنے خچّر کو دیکھو کہ خدا اسے کس طرح دوبارہ زندہ کرتا ہے!"

حضرت عُزیرؑ نے دیکھا کہ خچّر کے بکھرے ہوئے اجزا میں ایک مرتبہ حرکت پیدا ہوئی اور وہ آپس میں جُڑنے لگے۔ پھر ایک ایک کر کے پاؤں، سر، آنکھیں، کان اور دوسری تمام چیزیں آپس میں مل گئیں اور اس طرح خچّر کا پورا جسم مکمّل ہوگیا اور وہ اپنی جگہ سے اُٹھ گیا۔

پھر اُس فرشتے نے کہا:

"اے عُزیرؑ! ذرا تم اپنے انگوروں کو دیکھو کہ یہ ذرّہ برابر بھی خراب نہیں ہوئے۔ قدرتِ خدا کا اچھی طرح مشاہدہ کرو اور جان لو کہ خداوندِ عالم ہر چیز پر قادر ہے۔"

اس کے بعد جناب عُزیرؑ بیت المقدّس کی طرف واپس لوٹے۔ انھوں نے دیکھا کہ شہر یکسر بدل گیا ہے۔ کوئی بھی جانا پہچانا شخص دکھائی نہیں دے رہا۔ وہ مخصوص نشانیوں کے ذریعے اپنے گھر پہنچے۔ دروازے پر دستک دی۔ اندر سے کسی نے پوچھا:

"کون ہے؟"

انھوں نے جواب دیا:

"میں عُزیرؑ ہوں۔"

گھر والوں نے کہا:

"مذاق مت کرو! سو سال گزر چکے ہیں اور عُزیرؑ کا کچھ پتہ نہیں! کیا عُزیرؑ میں جو نشانیاں پائی جاتی تھیں وہ تمھارے اندر موجود ہیں؟ (جناب عُزیرؑ مستجاب الدعوات تھے) کیا تمھاری دعائیں بھی خدا کی بارگاہ میں قبول ہوتی ہیں؟ اگر ایسا ہے تو میں تمھاری خالہ ہوں اور اندھی ہو چکی ہوں۔ خدا سے میرے لیے دعا کرو کہ میری آنکھیں دوبارہ مجھے مل جائیں۔"

حضرت عُزیرؑ نے دعا کی اور ان کی خالہ کو بینائی مل گئی۔ پھر سارا ماجرا حضرت عُزیرؑ نے لوگوں کو بتایا اور اس طرح یہ سب کچھ خود ان کے لیے اور دوسرے لوگوں کے لیے عبرت و نصیحت کا باعث قرار پایا۔

عبا کے دامن میں چاول

کتاب "دارالسلام" کے آخری حصے میں شیخ محمود عراقی نے جناب
نراقی مرحوم سے یہ واقعہ یوں نقل کیا ہے:

جس زمانے میں، میں نجفِ اشرف میں رہا کرتا تھا تو ایک دفعہ وہاں بہت
سخت قحط پڑا۔ میرے بیوی بچے بھوک سے بلبلا رہے تھے۔ انھیں روتا چھوڑ کر
میں گھر سے نکلا تاکہ ان کی ضروریات کو کسی طرح پورا کرسکوں

وادی السلام کے قبرستان میں پہنچ کر میں نے مرحومین کی قبروں کی زیارت
کے وسیلے سے خدا سے اپنے لیے آسانی طلب کرنا چاہی۔ وہاں میں نے دیکھا کہ ایک جنازہ
آیا ہے اور اس میں شامل لوگوں نے مجھ سے کہا:

"تم بھی ہمارے ساتھ آجاؤ۔ ہم لوگ اس کو یہاں دفن کرنے کے لیے آئے ہیں"

پھر انھوں نے اس میّت کو ایک وسیع و عریض باغ میں پہنچا دیا۔ میں
نے دیکھا کہ وہاں ایک عالی شان محل ہے اور اس محل میں ہر طرح کی ضروریاتِ
زندگی کی آسائش مکمل طور پر موجود ہے۔ جب میں نے یہ دیکھا تو ان کے پیچھے اُس
محل میں داخل ہوگیا۔ وہاں ایک جوان شاہانہ لباس پہنے ہوئے سونے کے تخت
پر بیٹھا تھا۔ اس نے میرا نام لے کر بلایا اور مجھے سلام کیا اور پھر مجھے تخت پر اپنے پہلو

میں بٹھا لیا۔ کافی عزت و احترام کرنے کے بعد مجھ سے کہنے لگا:

"تم مجھے نہیں پہچانتے؟! میں وہی میّت تو ہوں جس کا جنازہ ابھی
تم نے دیکھا تھا۔ میرا نام فلاں ہے اور میں فلاں شہر کا رہنے والا ہوں۔ اور وہ
جو بہت سارے لوگوں کو تم نے میرے جنازے کے ساتھ دیکھا تھا وہ ملائکہ تھے جو
مجھے میرے شہر سے بہشت کے اس برزخی باغ تک لے کر آئے تھے۔"

جب میں نے اس جوان کی یہ بات سُنی تو میرا رنج و غم دور ہوگیا
اور میں اس باغ میں گھومنے پھرنے لگا۔ وہاں مجھے کچھ اور محل نظر آئے۔ اور جب
میں نے ان محلوں میں جا کر دیکھا تو وہاں میرے ماں باپ اور بعض رشتے دار بھی
موجود تھے۔

انھوں نے میری خوب مہمان نوازی کی اور طرح طرح کے بہترین
کھانے کھلائے۔ کھانوں کا بہترین ذائقہ پا کر مجھے اپنے بیوی بچے یاد آگئے اور میں
سوچنے لگا کہ وہ کتنے بھوکے ہیں۔ یہ سوچ کر میرا چہرہ متغیّر ہوگیا۔ میری یہ حالت دیکھ
کر میرے والد نے کہا:

"مہدی! تمھیں کیا ہو رہا ہے؟"

میں نے کہا:

"مجھے میرے بیوی بچوں کی یاد آگئی کیونکہ وہ بہت بھوکے ہیں۔"

یہ سُن کر میرے والد نے مجھ سے کہا:

"یہ چاولوں کا ڈھیر لگا ہوا ہے۔ ان میں سے چاول اٹھاؤ اور لے جاؤ۔"

میں نے اپنی عبا کے دامن میں چاول بھر لیے اور پھر خود کو وادی السلام
اسی جگہ پایا جہاں میں پہلے تھا۔ البتہ میری عبا چاولوں سے پُر تھی۔ یہ چاول لے کر
میں اپنے گھر پہنچا۔ بیوی نے پوچھا:

"آپ یہ چاول کہاں سے لائے ہیں؟"

میں نے کہا:

"تمھیں اس سے کیا کام!"

پھر ایک عرصے تک یہی چاول استعمال ہوتے رہے اور ان میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی۔

پھر ہوا یہ کہ بیوی نے بہت زیادہ اصرار کیا اور مرحوم رزاقی نے اسے سارا واقعہ بتا دیا۔ اس کے بعد جب وہ پکانے کے لیے چاول لینے گئی تو وہاں چاولوں کا کوئی نام و نشان باقی نہیں تھا۔

غریبی کے بعد امیری

ایک بہت بڑا تاجر بیان کرتا ہے:

میں سفرِ حج کر رہا تھا۔ میرے پاس تین ہزار سونے کے دینار اور میرے جواہرات چھوٹی چھوٹی تھیلیوں میں تھے اور میں نے انھیں اپنی کمر سے باندھ رکھا تھا۔ ایک مقام پر جب میں رفع حاجت کے لیے بیٹھا تو میری کمر سے دفعتاً ایک تھیلی گر گئی۔ اور کوئی تین میل راستہ طے کرنے کے بعد مجھے وہ تھیلی یاد آئی۔ اب لوٹنا ممکن نہیں تھا۔ میرے پاس چونکہ کافی مال و دولت موجود تھا لہٰذا اتنی بڑی رقم ہاتھ سے نکل جانے کے باوجود مجھ پر کوئی اثر نہ ہوا۔

حج کر کے میں اپنے وطن واپس آ گیا۔ پھر میرے حالات آہستہ آہستہ خراب ہوتے چلے گئے یہاں تک کہ میں بالکل خالی ہاتھ ہو گیا اور حوادثِ زمانہ نے میرے عزت و وقار کو ذلت سے بدل دیا۔ دوستوں کے سامنے شرمندگی سے بچنے اور دشمنوں کی بُری بھلی باتوں کے وار سے خود کو محفوظ رکھنے کے لیے میں نے اپنا وطن چھوڑ دیا۔

اب میں ایسا مسافر بن چکا تھا جس کی بظاہر کوئی منزل نہیں تھی۔ ایک دیہات میں پہنچا تو وہاں رات سر پر آ چکی تھی۔ میرے پاس مالِ دنیا میں سے

ایک درہم کا چھٹا حصّہ اور آدھا نقرہ باقی رہ گیا تھا۔ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا۔ رات تاریک تھی اور اوپر سے بارش بھی ہو رہی تھی۔ میں اپنے اہل و عیال کو لیے اس گاؤں کی ایک بالکل معمولی سی سرائے میں پہنچا۔ وہیں میری بیوی نے ایک بچے کو جنم دیا۔ اس حالت میں اس نے مجھ سے کہا:

"مجھے کچھ کھانے کو دو ورنہ میں ابھی بھوک سے مرجاؤں گی!"

ایسی سختی کے عالم میں ایک دکان دار کے پاس گیا اور اس کی کافی منت سماجت کرکے دکان کھلوائی اور اپنی اس معمولی سی رقم کے بدلے تھوڑا سا زیتون کا تیل اور اُبلی ہوئی سبزی کی کچھ مقدار مٹی کے پیالے میں لے کر اپنی سرائے کی طرف جانے لگا۔ راستے میں میرا پاؤں لڑکھڑا گیا اور میں گر پڑا۔ نتیجے میں مٹی کا وہ پیالہ ٹوٹ گیا اور جو کچھ اس کے اندر تھا وہ ضائع ہوگیا!

رنج و غم کی شدّت سے میرا دل زندگی سے بھر گیا تھا۔ چنانچہ اسی جگہ کھڑے ہو کر میں اپنا چہرہ پیٹنے لگا اور بے اختیار چیخ چیخ کر گریہ و زاری کرنے لگا۔

قریب ہی ایک گھر موجود تھا۔ اس کی دیواریں کافی اونچی تھیں اور بظاہر وہ بڑی عالی شان عمارت تھی۔ اس عمارت کی کھڑکی سے ایک شخص نے سر باہر نکالا اور مجھے ڈانٹ کر کہنے لگا:

"اتنی رات کو یہ کیسا شور مچا رکھا ہے؟ تم نے تو میری نیند خراب کرکے رکھ دی ہے!"

میں نے اسے اپنا سارا ماجرا بیان کیا تو اس نے کہا:

"یہ سارا واویلا ایک درہم کے چھٹے حصّے اور آدھے نقرے کے ہاتھ سے نکل جانے کی وجہ سے ہے!"

اُس نے مجھے مزید ڈانٹا اور بُرا بھلا کہا جس کی وجہ سے میں نے اُسے

جواب دیا:

"خدا جانتا ہے کہ یہ مال میرے نزدیک کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ مجھے تو خود اپنے اور اپنی بیوی بچے کی بھوک کا خیال آرہا ہے۔ میں یہ سوچ کر مضطرب اور پریشان ہوں کہ میری بیوی اور بچہ بھوک سے مرجائیں گے۔ مجھے ان کی اس حالت پر رحم آرہا ہے۔ خدا کی قسم میں نے جب فلاں سال حج کیا تھا اور میری مالی حالت بہت اچھی تھی تو فلاں فلاں منزل پر تین ہزار سونے کے دینار اور زر و جواہر سے پُر تھیلی مجھ سے چھوٹ گئی تھی لیکن اس کا مجھ پر کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔ اے شخص! تم کچھ تو خوف خدا کرو اور مجھے اس طرح ملامت کرنے سے باز رہو!"

جب اس شخص نے یہ بات سُنی تو کہنے لگا:

"اس تھیلی کی کیا نشانی ہے؟"

اس کے سوال پر میں نے دوبارہ رونا شروع کر دیا اور اس سے کہا:

"یہ کیا خواہ مخواہ کا سوال تم مجھ سے کر رہے ہو؟!"

میری یہ بات سُن کر وہ شخص اپنے گھر سے باہر آیا اور کہنے لگا:

"میں تمھیں اس وقت تک نہیں چھوڑوں گا جب تک تم اس تھیلی کی کوئی نشانی مجھے نہیں بتاؤ گے۔"

مجبوراً میں نے اس شخص کو تھیلی کی نشانیاں بتلادیں۔ پھر وہ شخص میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے اپنے گھر لے گیا اور کہنے لگا:

"تمھارے اہلِ خانہ کہاں ہیں؟"

میں نے اُسے اپنے اہل خانہ کا پتہ بتایا۔ اس شخص نے اپنا ملازم بھیج کر میرے بیوی بچوں کو سرائے سے بلوالیا اور ساتھ ہی اُس نے اپنے ملازم کو یہ بھی ہدایت کردی کہ یہ جو کچھ بھی مانگیں انھیں فراہم کر دینا۔ پھر وہ ملازم میرے لیے کپڑے لے کر آیا

اور میں نے غسل کر کے وہ کپڑے پہن لیے۔ اور یہ رات بڑے آرام سے گزر گئی۔

صبح سویرے جب سو کر اُٹھا تو میرے لیے ساری سہولتیں موجود تھیں۔

اُس شخص نے کہا:

"کچھ دن یہیں رہو۔ جب تمھاری بیوی صحت یاب ہو جائے تو چلے جانا۔"

اس شخص نے دس دن تک ہماری مہمان نوازی کی اور ہر روز مجھے بیس دینار دیتا رہا اور میرے ساتھ بڑی مہربانی سے پیش آتا رہا۔ ابتدا میں اِس طرح ڈانٹنے اور ملامت کرنے کے بعد اس کے ایسے سلوک کو دیکھ کر میں حیران تھا۔

اس کے بعد اس شخص نے ایک دن مجھ سے پوچھا:

"تم کیا کام کرتے ہو؟"

میں نے کہا:

"میں تاجر ہوں اور خرید و فروخت کے سلسلے میں اچھا خاصا تجربہ رکھتا ہوں!"

اُس نے کہا:

"میں تمھیں سرمایہ فراہم کرتا ہوں تاکہ تم میرے ساتھ شریک ہو کر کاروبار میں حصہ لو!"

یہ کہہ کر اس نے سونے کے دو سو دینار میرے حوالے کیے اور کہا:

"اسی علاقے میں خرید و فروخت میں لگ جاؤ اور اپنا کاروبار شروع کردو۔"

یہ سُن کر مجھے بڑی خوشی ہوئی اور میں نے تجارت شروع کردی۔ چند دنوں کا جو منافع حاصل ہوتا میں اُسے لا کر دے دیتا تھا۔

ایک دن جب میں اس کے کمرے میں گیا تو اُس نے اشرفیوں کی ایک تھیلی لا کر میرے سامنے رکھ دی۔ میں نے دیکھا کہ یہ وہی تھیلی ہے جو سفرِ حج کے دوران

مجھ سے چھوٹ گئی تھی۔ خوشی کے مارے مجھ پر غشی طاری ہو گئی! اور پھر ہوش آنے پر میں نے کہا:

"اللہ! اللہ! یہ تو وہی تھیلی ہے جو مکّہ کے راستے میں مجھ سے گر گئی تھی!"

اس شخص نے بتایا:

"کئی سالوں سے میں اس تھیلی کی حفاظت کے سلسلے میں زحمت برداشت کر رہا ہوں۔ اس رات جب تم نے اس تھیلی کی نشانی بتائی تو میں نے سوچا کہ یہ تمھیں لوٹا دوں۔ لیکن پھر مجھے یہ سوچ کر خوف محسوس ہوا کہ کہیں تم اس اچانک خوشی کو پا کر بے ہوش نہ ہو جاؤ اور وہیں موت کا شکار نہ ہو جاؤ۔ لہٰذا میں نے تمھیں آہستہ آہستہ یہ خوش خبری سنائی ہے۔ اپنی یہ تھیلی لے لو۔ میں تم سے معذرت چاہتا ہوں۔"

پھر میں نے وہ تھیلی لے لی اور جو کچھ بھی مجھ پر قرض تھا ادا کر دیا۔ اور اپنے پروردگار کا شکر بجا لایا۔ اس کے بعد میں نے اُس شخص کا بھی شکریہ ادا کیا اور لوٹ کر اپنے وطن آگیا۔ مجھ پر آسانی اور خیر و برکت کے دروازے دوبارہ کھل گئے اور انتہائی غریبی کے بعد دوبارہ امیری نصیب ہو گئی۔

جی ہاں! "فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا"۔ یعنی پس ہر سختی کے بعد آسانی ہے۔

قرض کی رسید!

ایک بار ایران کے بادشاہ سلیمان صفوی کے خزانہ سے ایک شخص نے پانچ ہزار تومان قرض لیے اور یہ طے پایا کہ ایک سال کے بعد یہ قرض واپس کر دیا جائے گا۔ قرض لینے والے آدمی کی مالی حالت زیادہ اچھی نہیں تھی لیکن پھر بھی بڑی مشکلوں سے اُس نے یہ رقم مقررہ وقت پر واپس کر کے خزانچی سے رسید حاصل کر لی لیکن قرارداد کی سند اس وقت بادشاہ کے دفتر میں نہیں تھی اس لیے وہ اسے واپس نہ لے سکا اور وہ سند دفتر ہی میں رہ گئی۔

اتفاق کی بات کہ رقم وصول کرنے کے کچھ ہی دنوں بعد شاہی دفتر کے ملازم کا انتقال ہو گیا اور اس کی جگہ ایک نیا ملازم آ گیا۔ جب اُس نے سابقہ ریکارڈ کی چھان بین شروع کی تو اس میں سے وہ پانچ ہزار تومان والا معاہدہ بھی نکل آیا۔ چنانچہ اُس نے اس شخص تک پیغام بھجوایا کہ قرض کی رقم جلد از جلد واپس کر دو کیونکہ اُس کی واپسی کی تاریخ گزر چکی ہے۔

اس کے جواب میں اس نے کہا کہ سرکار میں نے تو وہ رقم واپس کر دی تھی اور اس کی رسید بھی حاصل کر لی تھی۔

شاہی دفتر کے آدمی نے کہا:

"اچھا تو پھر تم وہ رسید مجھ کو دکھا دو!"

وہ شخص خوشی خوشی گھر واپس آیا اور رسید تلاش کرنے لگا۔ لیکن اُس یہ جان کر حیرت ہوئی کہ رسید کا گھر میں کوئی نام و نشان ہی نہیں ہے۔ اور ہر روز وہ اپنے گھر میں رسید ڈھونڈتا مگر رسید ہوتی تو ملتی۔ یوں ایک ہفتہ گزر گیا اور دفتر کے آدمی اُس سے رقم کا مطالبہ کرنے لگے۔

اُس نے ایک ہفتہ کی مزید مہلت مانگی اور جہاں کہیں بھی ممکن تھا رسید کو تلاش کیا۔ اڑوس پڑوس سے پوچھا۔ دوستوں سے معلوم کیا۔ لیکن رسید کا کہیں بھی کوئی سراغ نہ ملا۔ ایسا لگتا تھا کہ جیسے رسید کو زمین کھا گئی یا آسمان نگل گیا۔

یہ ایک ہفتہ کی مہلت بھی ختم ہو گئی تو حکومت کے خزانچی نے حکم دیا کہ کسی بھی طریقہ سے اس سے قرض وصول کیا جائے اور اگر نہ دے تو اس کو سخت سے سخت سزا دی جائے۔

اس شخص کی مالی حالت ویسے بھی صحیح نہیں تھی۔ پہلے ہی مشکل سے قرض چکایا تھا دوبارہ رقم کہاں سے لاتا۔ چنانچہ حکومت کے آدمی اس کے گھر آئے اور زبردستی اپنے ساتھ لے جانے لگے تاکہ اس کو سزا دیں یا پھر قرض وصول کرنے کا کوئی اور طریقہ سوچیں۔

وہ شخص سخت پریشان تھا۔ اسی پریشانی کے عالم میں اس کی توجہ خدا اور اس کے مقرب بندوں کی طرف ہوئی اور اس نے خدا کی ذات سے ائمہ علیہم السّلام کے وسیلے سے دعا کی کہ پروردگار مجھے اس عذاب سے نجات دے۔ اسی اثنا میں کیونکہ یہ شخص بہت گھبرایا ہوا اور پریشان تھا۔ اس لیے اس کی طبیعت خراب ہو گئی اُس نے سرکاری آدمیوں سے کہا:

"اگر اجازت دو تو میں حکیم کی دکان سے دوا لے لوں۔"

انھوں نے اجازت دے دی۔ اور حکیم نے دوا کاغذ میں لپیٹ کر اُسے
دے دی۔ اس شخص نے راستے ہی میں دوا کھا کر کاغذ پھینکنا چاہا تو وہ اس کے
دامن سے چپک کر رہ گیا۔ اس نے دو تین مرتبہ اپنی قمیص کو جھٹکا لیکن وہ کاغذ تھا
کہ الگ ہونے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا اور کسی صورت سے الگ نہیں ہوا۔ بالآخر
اس نے اپنے ہاتھوں سے کاغذ کو ہٹایا کہ یکایک اس کی نظر مہر پر پڑی اور جب
اس نے ذرا غور سے دیکھا تو یہ وہی قرض کی رسید تھی جس کا اس سے مطالبہ کیا جا
رہا تھا۔ یہ دیکھ کر اس کی خوشی کی انتہا نہ رہی اور وہ بے ہوش ہو گیا۔

لوگ اس کو ہوش میں واپس لائے۔ ہوش میں آنے کے بعد اس
نے سجدۂ شکر ادا کیا اور وہ رسید حکومت کے اہل کاروں کو دے دی اور اس مشکل
سے چھٹکارا پا لیا۔

سادات سے بدسلوکی کا انجام

۱۲۲۹ھ میں شہر کاشان میں عدالت کے بھیجے ہوئے کارندوں نے ایک
سیّد فقیر سے قرض کا مطالبہ کیا اور اس پر تشدّد کرنے لگے۔ وہ سیّد لاکھ کہتا رہا
کہ میرے پاس اس وقت قرض ادا کرنے کی سکت نہیں ہے۔ مجھے مہلت چاہیئے لیکن
پھر بھی عدالت کے اس کارندے پر اس کی بات کا کوئی اثر نہیں ہوا اور آخر کار
اُس نے کہا:

" اگر تمھارے جدِ بزرگوار کوئی مدد کر سکتے ہیں اور تمھیں میرے چُنگل
سے بچا سکتے ہیں تو بچا لیں یا پھر مجھے ایسا کر دیں کہ میں تمھیں کوئی تکلیف پہنچانے
پر قادر نہ رہوں ؟!"

پھر عدالت کے اس کارندے نے ایک معتبر شخص کی ضمانت پر سیّد کو
دوسرے دن صبح تک کی مہلت دے دی اور ساتھ ہی یہ بھی کہا:

" اگر تم نے کل صبح تک اپنا قرض ادا نہیں کیا تو میں تمھارے منہ کو
غلاظت اور گندگی سے بھر دوں گا۔ تم اپنے جدِ بزرگوار سے کہو کہ اگر وہ کچھ کر سکتے
ہوں تو کر لیں!"

وہ نامراد کارندہ رات کو اپنے مکان کی چھت پر سویا ہوا تھا۔ آدھی

رات کو اُسے پیشاب کی حاجت ہوئی اور وہ اپنے بستر سے اُٹھ کر چھت سے اُترنے لگا لیکن اندھیرے کی وجہ سے اُس کا پاؤں پرنالے سے ٹکرایا اور وہ نیچے گر پڑا۔ اتفاقاً پرنالے کے پائپ کے ساتھ ہی بہت بڑا گٹر تھا۔ وہ سر کے بل سیدھا گٹر میں چلا گیا اور آدھی رات کی اس تاریکی میں کسی کو کچھ معلوم ہی نہیں ہو سکا کہ اس کے ساتھ کیا ہوا۔

صبح کو لوگوں نے دیکھا کہ وہ سر سے لے کر ناف تک اس گندگی کے ڈھیر میں پڑا ہوا ہے جو کہ اس کے حلق سے گزر کر اُس کے پیٹ میں جا پہنچی ہے۔ جس وجہ سے اس کا پیٹ پھول گیا ہے۔ اور وہ مر گیا۔!

توبہ اور آگ

ایک دن حضرت امیرالمومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام اپنے اصحاب کے ساتھ تشریف فرما تھے کہ اتنے میں ایک شخص آکر کہنے لگا:

"یا امیرالمومنینؑ! میں نے ایک عظیم گناہ کا ارتکاب کیا ہے۔ مجھے پاک کر دیجیے!" (یعنی مجھ پر حدِ شرعی جاری کر دیجیے)

حضرت علیؑ نے فرمایا:

"گھر جاؤ! شاید تمہارے مزاج پر سودا کا غلبہ ہو گیا ہے!"

(یعنی جسم میں پائے جانے والے چار عناصر میں سے ایک عنصر سودا کا اثر بڑھ جانا جس کی وجہ سے انسان کی سمجھ بوجھ متاثر ہو جاتی ہے اور اس طرح وہ مکمل طور پر عقل و شعور کے ساتھ کوئی بات کہنے سے قاصر ہو جاتا ہے)

اس طرح مولائے کائناتؑ اُسے شک کا فائدہ دیتے ہوئے حدِ شرعی اس پر سے ختم کرنا چاہتے تھے۔

پھر دوسرے دن بھی اُس شخص نے آکر ایسا ہی اقرار کیا اور حدِ شرعی جاری کرنے کا تقاضہ کیا۔ اور امامؑ نے دوبارہ یہی فرمایا:

"گھر جاؤ شاید تمہارے مزاج پر سودا کا غلبہ ہو گیا ہے جس کی وجہ سے تم

یہ اقرار کر رہے ہو۔"

یہاں تک کہ تیسری مرتبہ آکر اُس شخص نے اسی طرح سے اپنے گناہ کا اعتراف کیا اور اپنے اوپر حدّ جاری کرنے کا مطالبہ کیا۔

اب چوتھی مرتبہ حضرت امیر المومنینؑ نے فرمایا:

پیغمبرِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے اس واقعہ کے سلسلے میں تین قسم کی سزائیں بیان کی ہیں۔ ان میں سے جسے چاہو اپنے لیے اختیار کرلو۔

① —— یہ کہ ایسے شخص کے ہاتھ پاؤں باندھ کر پہاڑ سے گرا دیا جائے۔

② —— یہ کہ اُسے تلوار سے قتل کر دیا جائے۔

③ —— یہ کہ اُسے آگ میں جلا دیا جائے۔

اس شخص نے پوچھا:

"یا علیؑ! ان تینوں سزاؤں میں سے کون سی سزا سب سے زیادہ سخت ہے؟"

امامؑ نے فرمایا:

"آگ میں جلانا!"

اُس نے کہا:

"میں اپنے لیے اسی کو اختیار کرتا ہوں!!"

امام علیہ السلام نے فرمایا:

"پھر تم اس کے لیے خود کو آمادہ کرلو۔"

اُس شخص نے کہا:

"ٹھیک ہے۔"

اِس کے بعد وہ اپنی جگہ سے اُٹھا۔ دو رکعت نماز پڑھی اور یوں گویا ہوا:

"پروردگارا! میں نے ایسے گناہ کا ارتکاب کیا ہے جس سے تو خوب واقف ہے۔ میں اپنے گناہ سے ڈر کر تیرے رسولؐ کے وصیؑ کی خدمت میں آیا ہوں اور میں نے اُن سے خواہش کی ہے کہ وہ مجھے اس گناہ سے پاک کر دیں۔ انھوں نے مجھے تین قسم کی سزاؤں میں سے ایک کو منتخب کرنے کا اختیار دیا ہے۔

خداوندا! میں نے ان تینوں میں سے اُس سزا کا اپنے لیے انتخاب کیا ہے جو سب سے زیادہ سخت ہے۔ اور میں تجھ سے التجا کرتا ہوں کہ اس سزا کو میرے گناہوں کا کفارہ قرار دے اور مجھے آتشِ جہنّم میں نہ جلا!"

پھر وہ شخص روتا ہوا اُٹھا اور آگ سے بھرے ہوئے گڑھے میں کود گیا اُس کے چاروں طرف آگ کے شعلے ہی شعلے دکھائی دے رہے تھے!

یہ منظر دیکھ کر مولائے کائناتؑ پر رقت طاری ہو گئی اور تمام اصحاب کی آنکھوں سے بھی آنسو نکل آئے۔

پھر تھوڑی دیر کے بعد حضرت علیؑ نے اُس شخص سے فرمایا:

"اے شخص! اُٹھو، تمھاری حالت پر آسمان اور زمین کے فرشتے رو پڑے ہیں اور خداوندِ عالم نے تمھاری توبہ قبول فرمالی ہے۔"

اس طرح صدقِ دل سے توبہ کرنے والا شخص آگ میں جلنے سے محفوظ رہا۔

ثعلبہ اور زکوٰۃ

سورۂ توبہ کی آیات چھہتر، ستتر اور اٹھہتر کی تفسیر بیان کرتے ہوئے "منہاج الصادقین" میں لکھا ہے:

ثعلبہ ابنِ خطاب انصاری، زہد و تقویٰ اور عبادت و ریاضت میں مشہور تھا۔ ایک دن وہ پیغمبرِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آیا اور اپنی تنگ دستی کا رونا رونے لگا اور آنحضرتؐ سے گزارش کی کہ اس کے لیے خدا سے مال و دولت کی دعا فرمائیں۔

نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُسے سمجھایا:

"اِس طرح کی دعا اور خواہش نہ کرو اور صبر و استقامت کے ساتھ فقر و فاقہ کی زندگی بسر کرتے رہو کیوں کہ مال و دولت تمھارے لیے مضر ثابت ہوگا۔ لہٰذا جو کچھ ہے اسی پر قناعت کرتے ہوئے شُکر ادا کرتے رہو، یہی تمھارے لیے بہتر ہے اُس زیادہ سے کہ جس پر تم شُکر ادا نہ کرو یہی کم تمھارے لیے بہتر ہے۔"

آپؐ نے مزید فرمایا:

"خدا کی قسم! اگر میں یہ دعا کروں کہ بہت سارے پہاڑ سونے چاندی کے ہوجائیں اور میرے ساتھ ساتھ حرکت کرنے لگیں تو حق سبحانہٗ تعالیٰ ایسا

ہی کر دے گا۔

لیکن میں جانتا ہوں کہ فقر و فاقہ کا آخری انجام خیر کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے اور مال و دولت کا آخری انجام شر کے خوفناک پہلو سے خالی نہیں ہے۔ لہٰذا تجھے چاہیئے کہ رسولِ خداؐ کی پیروی کر!"

ثعلبہ نے آنحضرتؐ کی نصیحت قبول نہیں کی اور دوسرے دن آکر پھر اپنی اسی خواہش کا اظہار کرتے ہوئے کہا:

"یارسول اللہؐ! میں یہ عہد کرتا ہوں کہ اگر خداوندِ عالم مجھے وافر مقدار میں مال و دولت عطا فرمادے گا تو میں مستحقین کا حق ادا کروں گا اور رشتہ داروں کے ساتھ صلۂ رحمی کروں گا۔"

پھر جب اس کا اصرار بہت بڑھ گیا تو نبئ کریمؐ نے اس کے لیے دعا کر دی کہ وہ مال دار ہوجائے۔ اس طرح پروردگارِ عالم نے اس کے مویشیوں میں برکت عطا کر دی اور پھر یہ مویشی اتنے بڑھ گئے کہ ان کی دیکھ بھال مشکل ہوگئی۔ پھر نوبت یہاں تک پہنچی کہ پیغمبرِ اکرمؐ کے ساتھ نمازِ پنجگانہ ادا کرنے والا یہ شخص صرف صبح اور مغربین میں نظر آنے لگا۔

اس کے بعد مویشیوں کی زیادتی اور دور دور تک جاکر ان کی دیکھ بھال کا سلسلہ اتنا بڑھ گیا کہ وہ روزانہ کی نمازِ پنجگانہ رسولِ خداؐ کے ساتھ باجماعت ادا کرنے سے محروم ہوگیا اور اب صرف نمازِ جمعہ ہی کے لیے مدینہ میں نظر آنے لگا۔

اور اس کے بعد تو وہ نمازِ جمعہ سے بھی محروم ہوگیا!

ایک دن پیغمبرِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ثعلبہ کے بارے میں پوچھا کہ اس کا کیا حال ہے اور وہ نماز میں کیوں نہیں آرہا ہے؟

اصحاب نے بتایا:

"اب اس کے مویشی اتنے بڑھ گئے ہیں کہ اطراف کی وادی میں رکھنا اس کے لیے مشکل ہوگیا ہے۔ چنانچہ وہ فلاں وسیع وادی میں چلا گیا ہے۔ اور اب وہیں رہتا ہے!"

یہ سُن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین مرتبہ فرمایا:

"افسوس ہے ثعلبہ پر!"

پھر جب آیۂ زکوٰۃ نازل ہوئی تو آنحضرتؐ نے جہنی نامی ایک شخص کے ساتھ بنی سلیم کا ایک آدمی کیا اور جہنی کو حکم دیا:

ثعلبہ سے زکوٰۃ وصول کرنے کے بعد فلاں قبیلۂ سلیم سے تعلق رکھنے والے شخص کے پاس بھی چلے جانا اور اس سے بھی زکوٰۃ لے لینا۔"

یہ دونوں ثعلبہ کے پاس پہنچے، پیغمبرِ اکرمؐ کے بتائے ہوئے دستور کے مطابق اُسے آیۂ زکوٰۃ سُنائی جس میں زکوٰۃ کے احکامات اور شرائط کا واضح طور پر تذکرہ موجود ہے اور اس کے بعد انھوں نے زکوٰۃ طلب کی۔ لیکن وہ مال و دولت کی محبت میں اندھا ہوچکا تھا۔ چنانچہ خدا اور رسولؐ کے فرمان سے بغاوت کرتے ہوئے کہنے لگا:

"اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ محمدؐ ہم سے جزیہ (ٹیکس) لینا چاہتے ہیں!"

ثعلبہ دراصل زکوٰۃ دینا ہی نہیں چاہتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ آنحضرتؐ کے بھیجے ہوئے نمائندوں کو ٹالتے ہوئے بولا:

"تم لوگ ابھی دوسری جگہ سے زکوٰۃ وصول کرو تاکہ میں اس بارے میں کچھ سوچ لوں۔"

پھر وہ دونوں بنی سلیم کے اس شخص کے پاس چلے گئے جس کے سلسلے میں آنحضرتؐ نے ہدایت فرمائی تھی۔ اس کے سامنے جب آیۂ زکوٰۃ کی تلاوت کرنے کے بعد نبیٔ اکرمؐ کا حکم پہنچایا تو اس نے کہا:

"سَمْعًا وَطَاعَةً لِاَمْرِ اللهِ وَرَسُوْلِهٖ۔"

میں نے حکم سُنا، اب اللہ اور اس کے رسولؐ کا حکم بجالانے کے لیے بسروچشم حاضر ہوں۔

یہ کہہ کر وہ اُٹھا اور جو کچھ پیغمبرِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہدایت فرمائی تھی اس سے کہیں زیادہ، عمدہ اور بہترین اُونٹ چھانٹ کر نکالے اور کہا:

"ان اونٹوں کو سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لے جاؤ۔"

ان دونوں نے کہا:

"رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں بہترین مال حاصل کرنے کا حکم نہیں دیا ہے!"

اُس نے کہا:

"بھلا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ میں اپنا بہترین مال چھوڑ کر معمولی مال خدا و رسولؐ کی خدمت میں پیش کروں؟!"

وہ دونوں زکوٰۃ کے یہ اُونٹ وصول کرنے کے بعد دوبارہ ثعلبہ کے پاس آئے۔ لیکن اُس بدبخت نے دوسری مرتبہ بھی زکوٰۃ دینے سے انکار کردیا اور وہی کچھ کہا جو پہلے کہہ چکا تھا۔

اور جب یہ دونوں افراد لَوٹ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ثعلبہ کی صورتِ حال بیان کی تو آپؐ نے فرمایا:

"افسوس ہے ثعلبہ پر!"

ساتھ ہی سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبیلۂ سلیم کے اُس شخص کے لیے دعا فرمائی۔

اصحابِ کرام حیران تھے کہ اسی اثنا میں حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی جانب سے ثعلبہ کے بارے میں سورۂ توبہ کی یہی چھہترویں، ستترویں اور اٹھہترویں آیتیں نازل ہوئیں ——— !!!

رسولِ خداؐ اور ایفائے عہد

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سہیل ابنِ عمر نے صلح کے سلسلے میں حدیبیہ کے مقام پر مذاکرات کیے جس کے نتیجے میں ایک معاہدۂ امن طے پاگیا۔ یہ معاہدہ صلحِ حدیبیہ کے نام سے مشہور ہے۔

ابھی اس معاہدے پر دستخط نہیں ہوئے تھے کہ سہیل کا بیٹا جندل جس نے اسلام قبول کرلیا تھا کفار کے چنگل سے فرار ہوکر مسلمانوں کی جانب آگیا۔ جندل کے پاؤں میں زنجیر تھی۔

سہیل نے جب اپنے بیٹے کو اس طرح آتے ہوئے دیکھا تو فوراً ہی آگے بڑھا اور بیٹے کو تھپڑ مارا اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا:

"اے محمدؐ! ہمارے درمیان طے پانے والے معاہدے کے بعد یہ پہلا واقعہ رونما ہوا ہے، لہٰذا میرا بیٹا میرے حوالے کردو!!"

رسولِ خداؐ چونکہ معاہدہ کرچکے تھے لہٰذا آپؐ نے سہیل سے فرمایا:

"میں جندل کو اس شرط پر تمھارے حوالے کرنے کے لیے تیار ہوں کہ تم اسے کوئی تکلیف نہیں پہنچاؤگے اور اسے امان دے دوگے۔"

بالآخر کافی اصرار کے بعد سہیل نے اپنے بیٹے کو امان دینے کے سلسلے میں
حامی بھر لی۔ یہ سُن کر جندل نے کہا:
"اے مسلمانو! اب جب کہ میں مسلمان ہو گیا ہوں بھلا کس طرح مشرکوں
کی طرف جا سکتا ہوں؟!"
آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:
"جاؤ! صبر کرو، خداوندِ متعال تمھارے لیے آسانی مہیا فرمائے گا کیونکہ
ہم نے معاہدہ کر لیا ہے اور اس کے خلاف کچھ نہیں کر سکتے!"
پھر سہیل اپنے بیٹے کا ہاتھ پکڑ کر لے گیا۔ البتہ وہ اپنے وعدے پر
قائم نہیں رہا اور اس نے جندل کو کافی اذیتیں پہنچائیں!

نبی کریمؐ اور حقدار کا حق

ایک دن کسی ضرورت مند نے مسجدِ نبویؐ میں آکر آنحضرت صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم سے اپنے فقر و فاقہ کی شکایت کی۔ آنحضرتؐ نے فرمایا:
"یہیں بیٹھو! خداوندِ عالم ہر چیز پر قادر ہے!"
اس کے بعد ایک اور ضرورت مند آیا تو آپؐ نے اُس سے بھی یہی فرمایا۔
پھر تیسرا مستحق آیا تو اسے بھی مسجدِ نبویؐ میں بیٹھنے کے لیے کہا۔ اتنے میں ایک شخص
چار صاع گندم لے کر آیا اور اسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حوالے کر دیا۔
زکوٰۃ کی مد میں حاصل ہونے والی چار صاع گندم میں سے ان تینوں
ضرورت مندوں کو آپؐ نے ایک ایک صاع گندم عنایت کی۔ البتہ ایک صاع گندم
اب بھی باقی تھی۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نمازِ مغربین کے بعد یہ اعلان
فرمایا کہ جو شخص بھی اس کا مستحق ہو وہ آئے اور اپنا یہ حق لے جائے۔ لیکن کوئی بھی
نہیں آیا اور بالآخر وہ گندم آپ کو گھر لے جانا پڑا۔
حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ اُس رات آپؐ کافی پریشان تھے۔ میں نے
پریشانی کا سبب دریافت کیا تو ارشاد فرمایا:
"مجھے ڈر ہے کہ کہیں آج ہی کی رات میری موت واقع نہ ہو جائے اور

یہ امانت میرے ذمہ باقی رہ جائے اور حق دار تک نہ پہنچ سکے۔"

اسی طرح روایت میں ہے کہ وصال سے قبل آپؑ کے پاس مستحقین کے لیے چھ یا سات دینار موجود تھے۔ آپؑ نے ان دیناروں کو طلب فرمایا اور گننے کے بعد ارشاد فرمایا:

"اس محمدؐ کے بارے میں کیا گمان کیا جاسکتا ہے جس کے پاس یہ دینار موجود ہوں اور وہ اپنے پروردگار سے ملاقات کرے۔!"

اس کے بعد آپؑ نے وہ دینار حضرت امیرالمومنینؑ کے سپرد کردیے تاکہ وہ انھیں حق داروں تک پہنچا دیں۔ اس کے بعد فرمایا:

"اب میں مطمئن ہوں۔"

چور صوفی اور مامون

محمد ابن سنان بیان کرتے ہیں:

میں خراسان میں اپنے مولا حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی خدمت میں تھا اور مامون نے آپؑ کو اپنی دائیں جانب بٹھایا ہوا تھا۔

اتفاقاً اسی وقت مامون کو خبر دی گئی کہ ایک صوفی نے چوری کی ہے۔

مامون نے اسے اپنے دربار میں طلب کیا۔ اس نے دیکھا کہ وہ نیک اور متقی لوگوں کا لباس پہنے ہوئے ہے اور پیشانی پر سجدہ کا نشان موجود ہے۔

مامون نے کہا:

"افسوس! اتنی اچھی صورت شکل اور اس پر چوری جیسا یہ برا کام!"

چوری کا ارتکاب کرنے والے صوفی نے کہا:

"میں نے یہ کام مجبوراً کیا ہے۔ یہ عمل مجھ سے اس لیے سرزد ہوا ہے کہ تو نے خمس اور مالِ غنیمت میں سے مجھے میرا حق نہیں دیا!"

مامون نے کہا:

"تمھارا خمس اور مالِ غنیمت میں کیا حق ہے؟"

صوفی نے بتایا:

"خدائے عزّوجل نے خمس کے چھ حصے کرتے ہوئے سورۂ انفال کی اکتالیسویں
آیت میں ارشاد فرمایا ہے:

"اور جان لو کہ جو کچھ تم غنیمت لو اس کا پانچواں
حصہ مخصوص ہے خدا، رسولؐ، رسولؐ کے قرابت داروں،
یتیموں، مسکینوں اور پردیسیوں کے لیے۔"

اور سورۂ حشر کی ساتویں آیت میں مالِ غنیمت کو تقسیم کرنے کے سلسلے
میں ارشادِ ربّ العزّت ہے:

"خدا نے اپنے رسولؐ کو دیہات والوں سے بے لڑے
جو مال دلوایا ہے وہ خاص ہے خدا، رسولؐ، رسولؐ
کے قرابت داروں، یتیموں، محتاجوں اور پردیسیوں
کے لیے۔"

ان دونوں آیتوں سے دلیل قائم کرنے کے بعد اس صوفی نے مزید کہا:
"اب تُو نے مجھے پردیس میں دورانِ سفر بے سہارا اور تنگ دست ہو جانے
کے باوجود میرے حق سے محروم رکھا ہے!" (یہی وجہ ہے کہ میں چوری کرنے پر مجبور ہو گیا)
مامونؔ نے کہا:
"کیا میں تمہارے اس من گھڑت افسانے کو سُن کر حکمِ خدا نافذ نہ کروں
اور اس طرح اللہ تعالیٰ کی قائم کردہ حدِ شرعی تم پر جاری نہ کی جائے؟!"
صوفی نے کہا:
"سب سے پہلے تم خود اپنے اوپر حکمِ خدا نافذ کرو! اور اپنے اوپر حدِ شرعی
جاری کر کے خود کو گناہوں سے پاک کرو۔ اس کے بعد دوسروں پر حدِ شرعی جاری کرنے
کا حکم دو۔"

یہ دلیل سُن کر مامونؔ کا سر شرم سے جھک گیا اور وہ حضرت امام علی رضا
علیہ السلام سے بولا:
"آپؑ اس سلسلے میں کیا کہتے ہیں؟"
عظیم المرتبت امامؑ نے فرمایا:
"اس آدمی کا کہنا ہے کہ چونکہ تم نے چوری کی ہے لہٰذا اس نے بھی
چوری کی ہے!"
مامون یہ بات سُن کر سخت برہم ہوا اور اس صوفی سے جھنجھلا کر
کہنے لگا:
"خدا کی قسم میں تمہارا ہاتھ ضرور کاٹوں گا!"
صوفی نے کہا:
"تم بھلا کیسے میرا ہاتھ کاٹو گے، جب کہ تم میرے غلام ہو؟!"
مامونؔ طیش میں آکر بولا:
"حیف ہے تجھ پر! بھلا میں کیسے تمہارا غلام ہوں؟!"
صوفی نے جواب دیا:
"تمہاری ماں کو بیت المال سے خریدا گیا تھا اور بیت المال پر تمام مسلمانوں
کا حق ہوتا ہے۔ لہٰذا اس اعتبار سے تم مشرق سے لے کر مغرب تک تمام مسلمانوں کے
اس وقت تک غلام رہو گے جب تک وہ تمہیں آزاد نہ کر دیں۔ اور میں نے بہرحال
تمہیں آزاد نہیں کیا ہے۔ اس کے علاوہ تم نے خمس کا مال ناحق کھایا ہے۔ نہ تو تم نے
آلِ رسولؐ کا حق ادا کیا ہے اور نہ ہی میرا اور مجھ جیسے دوسرے لوگوں کا۔ اور کیا
تمہیں نہیں معلوم کہ کوئی نجس اور آلودہ شخص کسی کی نجاست اور آلودگی کو اس وقت
تک دور نہیں کر سکتا جب تک کہ خود اپنی آلودگی کو دُور نہ کر لے۔ وہ شخص جو خود

حدِ شرعی کا سزاوار ہو وہ بھلا کس طرح دوسرے پر حد جاری کر سکتا ہے۔ ہاں البتہ یہ اور بات ہے کہ وہ اس حدِ شرعی کا اجرا اپنی ذات سے شروع کرے! کیا تم نے نہیں سُنا کہ خداوندِ قدوس سورۂ بقرہ کی چوالیسویں ۴۴ آیت میں ارشاد فرماتا ہے:

"تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور خود اپنے آپ کو بُھلائے بیٹھے ہو، حالانکہ تم کتابِ خدا کی تلاوت کرتے ہو۔"

یہ سُن کر مامون نے حضرت علی رضا علیہ السلام سے پوچھا:

"اس شخص کے بارے میں آپؑ کی کیا رائے ہے؟"

امامؑ نے فرمایا:

"خداوند متعال نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے فرمایا ہے کہ خدا کے لیے حجت بالغہ ہے۔ حجتِ بالغہ وہ حجت ہے کہ اگر کوئی اس طرح کا کم پڑھا لکھا اور نادان شخص بھی اسے قائم کرے تو (تجھ) ایسے دانا شخص کو اسے سمجھ لینا چاہیے اور مان لینا چاہیے۔ دنیا اور آخرت اسی دلیل پر قائم ہیں۔ اور اب اس شخص نے تمھارے خلاف یہ دلیل پیش کر دی ہے۔"

امامؑ کی یہ بات مامون کے دل کو لگی اور آخر کار اس نے یہ حکم دے ہی دیا کہ صوفی کو رہا کر دیا جائے اور لوگوں کے سامنے جھینپ کر رہ گیا اور منہ چھپا کر ایک چلا گیا۔ لیکن اب اس کا دل حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی جانب سے کھٹا ہو گیا تھا۔ اس نے امامؑ کو اپنے راستے سے یکسر ہٹانے کا فیصلہ کر لیا اور آخر کار اس بدبخت نے امام عالی مقامؑ کو زہر دے کر شہید کر دیا۔

لیموں کا نقلی عرق

جلیل القدر عالم آقائے عراقی لکھتے ہیں کہ مجھے قابلِ اعتماد اور عادل ملّا عبدالحسین خوانساری نے بتایا:

کربلائے معلّٰی کے عطاروں میں سے ایک مشہور و معروف عطار بیمار پڑ گیا۔ تمام طبیبوں نے اس کے علاج کی کوشش کی لیکن مریض کو کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ یہاں تک کہ ایک دن میں اس کی عیادت کے لیے گیا۔ میں نے دیکھا کہ وہ بیمار حکیم بہت پریشان ہے اور اپنے بیٹوں سے کہہ رہا ہے:

"جاؤ فلاں چیز کو بھی بیچ ڈالو اور اس سے حاصل ہونے والی رقم بھی مجھ پر خرچ کرو تاکہ معاملہ ایک طرف ہو جائے، میں مرجاؤں یا اچھا ہو جاؤں!"

اس کی یہ بات سُن کر میں نہیں سمجھ سکا اور پوچھ بیٹھا کہ آخر فلاں مال کے بیچ دینے سے تمھارے اچھے ہو جانے یا مر جانے کا کیا تعلق ہے؟!

میرے اس سوال پر اس بیمار نے ایک سرد آہ بھری اور کہا:

"سنو! شروع شروع میں جب میں ایک معمولی عطار تھا تو میرے پاس کوئی خاص سرمایہ نہیں تھا۔ میرا مال و دولت اور سرمایہ اسی سال بڑھا ہے جب کربلا میں غشی طاری کر دینے والے بخار کا مرض یا اسی قسم کا ایک اور مرض بہت

زیادہ پھیل گیا تھا۔ طبیبوں نے اس کا علاج شیراز کے لیموں کا عرق تجویز کیا۔ ظاہر
ہے کہ یہ عرق لیموں آہستہ آہستہ کربلا میں کم یاب اور مہنگا ہوگیا۔ چنانچہ میں نے عرق
لیموں میں چھاچھ کی ملاوٹ شروع کردی اور پھر اسے کچھ اس مہارت سے بنایا
کہ اس سے لیموں کی خوشبو آنے لگی۔ اس طرح میں لیموں کے اس نقلی عرق کو
اصلی لیموں کے عرق کی قیمت پر بیچنے لگا۔ پھر ایک نوبت وہ بھی آئی کہ عرقِ لیموں صرف
میری ہی دکان پر دستیاب ہوتا تھا اور جسے بھی اس عرق کی ضرورت ہوتی تھی اسے
میری دکان کا پتہ بتا دیا جاتا تھا۔ اور اس طرح تھوڑے ہی عرصہ میں نقلی لیموں کے عرق
کو بیچ کر جو درحقیقت چھاچھ تھا میں نے اپنی دکان کے سرمائے میں خاصا اضافہ کرلیا
اور میری دکان کا شمار بڑی اور مشہور دکانوں میں ہونے لگا۔ پھر میں اپنے ہم پیشہ
ابوالالوف کے برابر پہنچ گیا۔

اور آج تم میری یہ حالت دیکھ رہے ہو کہ میرے اس کام کا کتنا بُرا انجام
ہو رہا ہے۔ جو کچھ بھی میں نے مال و دولت جمع کیا تھا وہ سب خرچ ہوگیا اور اس میں
سے سوائے ایک چیز کے کچھ بھی باقی نہیں بچا۔ آج مجھے خیال آیا کہ اس طرح دھوکا دے
کر نفع حاصل کر کے جو کچھ میں نے حاصل کیا تھا اس میں سے ایک چیز بچی ہوئی ہے
لٰہذا میں نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ جاؤ اس چیز کو بھی بیچ ڈالو تاکہ سارا معاملہ ختم
ہوجائے اور میں چھٹکارا پاسکوں۔

اس نے یہ باتیں مجھے بتائیں اور تھوڑی دیر بھی نہیں گزری تھی کہ وہ
اس دُنیا سے رخصت ہوگیا۔ اور خود بھی اسی جال میں پھنس گیا جس میں اس نے
نقلی لیموں کا عرق بیچ کر دوسروں کو پھنسایا تھا۔

حرام کا کھانا

مہدی عباسی کے زمانہ میں ایک قاضی جس کا نام شریک ابن عبداللہ
تھا اس کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ ابتدا میں بہت متقی اور پارسا عالم دین
اور فقیہ تھا۔

ایک مرتبہ مہدی عباسی نے اسے طلب کیا اور کہا کہ تمھیں میرے تین
کاموں میں سے ایک کام کو لازمی طور پر قبول کرنا پڑے گا۔

یا تو تم منصب قضاوت کو قبول کرلو اور جج بن جاؤ یا میرے بچوں
کی تربیت کے سلسلے میں ذمہ داری قبول کرلو اور استاد بن جاؤ یا پھر کم از کم ایک
مرتبہ میرے دسترخوان پر کھانا کھالو۔

شریک نے کھانا کھانے کو اپنے لیے منتخب کیا۔ اس کے خیال میں یہ بقیہ
دونوں کاموں کی نسبت زیادہ آسان تھا۔

خلیفہ نے باورچی کو حکم دیا کہ وہ خصوصیت کے ساتھ انواع واقسام کے
عمدہ اور لذیذ کھانے تیار کرے جب شریک بن عبداللہ اتنے عمدہ اور لذیذ کھانے کھائے
گا تو وہ اپنے تقوٰی اور پارسائی پر ثابت قدم نہیں رہ پائے گا۔

چنانچہ ہوا بھی یہی۔ شریک حرام کا کھانا کھالیا اور یہ لقمۂ حرام اس پر

اتنا اثر انداز ہوا کہ اب اس نے باقی دونوں کام بھی قبول کر لیے۔ وہ قاضی بھی بنا اور خلیفہ کے بچوں کا استاد بھی۔

کہتے ہیں کہ جب وہ بیت المال سے اپنی تنخواہ لینے جاتا تھا تو خزانچی سے بڑی سختی کے ساتھ اپنی رقم کا مطالبہ کیا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ بیت المال کے خزانچی نے کہا:

"تم نے مجھے کوئی گندم تو نہیں بیچی ہے کہ اس رقم کے سلسلے میں اتنی سختی کر رہے ہو؟"

شریک نے جواب دیا:

"کیوں نہیں میں نے گندم سے بھی زیادہ قیمتی چیز بیچی ہے۔ اور وہ قیمتی چیز خود میرا دین ہے!"

جب بہلولؔ عاقل کے لیے ہارونؔ نے کھانا بھیجا تو اس نے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور یہ بڑا ہی مناسب جواب تھا۔ لیکن خلیفہ کے آدمیوں نے کہا:

"خلیفہ کے بھیجے ہوئے تحفے کو لوٹایا نہیں جا سکتا۔"

چنانچہ بہلول نے قریب ہی موجود کتوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا:

"یہ کھانا ان کے سامنے ڈال دو تاکہ یہ کھا لیں!"

خلیفہ کے بھیجے ہوئے آدمی سخت برہم ہو کر کہنے لگے:

"تم نے خلیفہ کے تحفے کی توہین کی ہے!"

اس موقع پر بہلولؔ نے بڑا پیارا جواب دیا:

"ذرا آہستہ بولو اگر یہ کتے سمجھ لیں گے کہ خلیفہ کی طرف سے کھانا آیا ہے تو وہ بھی نہیں کھائیں گے!"

چور، رزقِ حلال سے محروم ہو گیا

ایک دن حضرت امیرالمومنین علی ابنِ ابی طالب علیہ السلام مسجد کے دروازے پر اپنے خچر سے اترے۔ آپؑ نے اپنا خچر ایک شخص کے حوالے کیا اور مسجد میں تشریف لے گئے۔

اس شخص نے خچر کی لگام کھینچ کر نکالی اور فرار ہو گیا۔

حضرت امیرالمومنینؑ جب مسجد سے باہر تشریف لائے تو آپؑ کے ہاتھ میں دو درہم تھے۔ یہ دو درہم آپؑ اُس خچر کی نگہبانی کرنے والے کو دینا چاہتے تھے لیکن آپؑ نے دیکھا کہ سواری کا جانور لگام سے خالی ہے۔ بہرحال آپؑ خچر پر سوار ہو کر گھر پہنچے، اپنے غلام کو وہ دو درہم دیے تاکہ وہ لگام خرید لائے۔

غلام بازار گیا۔ اُس نے وہی لگام ایک شخص کے ہاتھ میں دیکھی، پوچھنے پر معلوم ہوا کہ ایک شخص یہ لگام دو درہم میں بیچ گیا ہے۔

غلام نے یہ بات جب حضرت علیؑ کو بتائی تو آپؑ نے فرمایا:

"بندہ خود صبر نہ کرنے اور عجلت سے کام لینے کی وجہ سے رزقِ حلال کو اپنے اُوپر حرام کر لیتا ہے۔ حالانکہ جو کچھ بھی اس کی قسمت میں لکھا ہوتا ہے اس سے زیادہ اسے نہیں ملتا۔"

سیّد علی اصفہانی اور قرض خواہ

نجف کے ایک عالم اپنے طالب علمی کے زمانے کا قصہ نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں :

جب میرے والد کا انتقال ہوا تو میں اس زمانے میں نجفِ اشرف میں علمِ دین حاصل کر رہا تھا۔ میرے والد کے جملہ امور اور فرائض میرے دوسرے بھائیوں کے ہاتھوں میں تھے اور اس سلسلے میں مجھے کوئی خبر نہیں تھی۔ والد کے انتقال کے سات ماہ بعد میری والدہ بھی اصفہان میں انتقال کر گئیں اور ان کا جنازہ نجفِ اشرف لایا گیا۔ انھیں دنوں ایک رات میں نے اپنے والد کو خواب میں دیکھا اور ان سے کہا:

"آپ کا انتقال تو اصفہان میں ہوا تھا پھر آپ نجفِ اشرف میں ہیں؟!"

انھوں نے جواب دیا :

"ہاں! لیکن مرنے کے بعد مجھے یہاں جگہ دے دی گئی ہے !"

میں نے پوچھا :

"میری والدہ آپ کے پاس ہیں؟"

انھوں نے کہا :

"وہ نجف ہی میں ہیں، البتہ کسی اور جگہ پر۔"

میں سمجھ گیا کہ انھوں نے میرے والد کے برابر درجہ نہیں پایا ہوگا۔ پھر میں نے پوچھا :

"آپ کا کیا حال ہے ؟"

والد نے بتایا :

"بڑی سختی اور تکلیف میں تھا لیکن الحمد للہ آرام سے ہوں !"

یہ سُن کر مجھے بڑی حیرت ہوئی اور میں نے پوچھا :

"کیا آپ جیسے لوگ بھی سختی میں مبتلا ہو سکتے ہیں ؟!"

انھوں نے جواب دیا :

"ہاں ! اس کی وجہ یہ تھی کہ آقا بابا کے بیٹے حاجی رضا جو نعل بند کے نام سے مشہور ہیں، میں ان کا مقروض تھا۔ ان کی کچھ رقم میرے ذمّہ تھی اور وہ مجھ سے لینا چاہتے تھے جس کی وجہ سے میں بُرے حال میں تھا۔"

سیّد حسن بیان کرتے ہیں کہ یہ خواب دیکھ کر میں بے چینی کی حالت میں بیدار ہو گیا۔ پھر میں نے اپنے بھائی کو جو میرے والد کے وصی تھے اپنا خواب تحریر کر دیا اور ساتھ ہی یہ بھی لکھا کہ وہ اس سلسلہ میں تحقیق کریں کہ آیا واقعی اس شخص سے والد صاحب نے کوئی قرض لیا تھا ؟

میرے بھائی نے مجھے جواب میں لکھا کہ میں نے حاجی رضا کا نام والدِ محترم فائلوں میں تلاش کیا لیکن ایسا کوئی نام مجھے قرض خواہوں کی فہرست میں نہیں ملا۔

اس کے بعد میں نے اپنے بھائی کو دوبارہ خط لکھا کہ اس شخص کو تلاش کرو اور پوچھو کہ کیا ہمارے والد نے اس سے کچھ لیا تھا ؟

اس کے بعد میرے بھائی نے مجھے لکھا :

میں نے اس شخص کو تلاش کیا اور اس سے پوچھا تو اس نے مجھے بتایا :

ہاں! سترہ تومان مجھے آپ کے والد سے لینا تھے اور اس کے بارے میں سوائے خدا کے اور کوئی نہیں جانتا تھا۔ مرحوم کے انتقال کے بعد میں نے تم سے پوچھا کہ کیا میرا نام بھی قرض خواہوں کی فہرست میں ہے تو تم نے جواب دیا کہ نہیں۔ میرے پاس کوئی تحریری ثبوت نہیں تھا اور اپنی بات ثابت کرنے کے لیے کوئی دلیل بھی نہیں تھی۔ چنانچہ میرے دل کو بہت تکلیف پہنچی کہ آخر مرحوم نے قرض خواہوں کی فہرست میں میرے نام کا اندراج کیوں نہیں کیا۔

سید حسن کے بھائی نے مزید لکھا کہ پھر میں نے حاجی رضا سے گزارش کی کہ وہ یہ رقم مجھ سے لے لیں لیکن انھوں نے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور کہا:

"میں نے اپنا یہ حق (سترہ تومان) معاف کر دیا ہے!"

اچھا ظالم!

کہا جاتا ہے کہ ملک شاہ سلجوقی کا وزیر نظام الملک، آخرت اور قیامت کے حساب کتاب کے سلسلہ میں انتہائی اہتمام کیا کرتا تھا اور اس سلسلہ میں ہمیشہ فکرمند اور خوف زدہ رہا کرتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اپنی وزارت کے زمانے میں وہ ضعیفوں کمزوروں اور بے سہارا لوگوں کی فریاد رسی کیا کرتا تھا۔

خواجہ نظام الملک کے ذہن میں یہ خیال آیا کہ کیوں نہ وہ اپنی وزارت کے دور میں لوگوں کے ساتھ حُسنِ سلوک کرنے کی گواہی تحریر کروالے۔ چنانچہ اس نے بڑے بڑے علمار سے گواہی لے کر اور اُن سے دستخط کروا کے اسے اپنے کفن میں رکھنے کا فیصلہ کیا تاکہ اس طرح سے اس کی آخرت میں نجات کا سامان ہو سکے۔

بعض بزرگ علمار نے اس کے حُسنِ سلوک کی گواہی دی۔ البتہ جب گواہی نامہ کا یہ کاغذ مدرسۂ نظامیہ بغداد کے شیخ ابو اسحاق کے پاس پہنچا تو انھوں نے گواہی نامہ پر یہ عبارت تحریر کر دی:

"خیر الظلمة حسن۔ کتبه ابو اسحٰق"

یعنی میں گواہی دیتا ہوں کہ حسن (خواجہ نظام الملک) ظالموں میں سے اچھا ظالم ہے!

شیخ ابو اسحاق کی یہ تحریر جب خواجہ نظام الملک نے پڑھی تو وہ بہت رویا اور کہا:

"سچ یہی ہے جو ابو اسحاق نے لکھا ہے۔"

اس میں کوئی شک نہیں کہ ظالموں کی مدد کرنا بذاتِ خود حرام ہے۔ اور اس کا شمار گناہانِ کبیرہ میں ہوتا ہے۔ آدمی کے لیے ضروری ہے کہ وہ ظلم کی قسموں اور اس کی مختلف نوعیتوں سے آگاہی حاصل کرے۔ کیونکہ خود ظالم کی مدد کرنا بھی ظلم ہے اور ظلم کی مختلف نوعیتوں کے اعتبار سے ہر ایک کے احکامات بھی مختلف ہیں۔

قبر سے شعلے

جلیل القدر عالم دین سیّد محمد علی عراقی فرماتے ہیں:

میں اپنی جوانی کے دور میں اپنے آبائی قصبے کزہرود میں رہتا تھا۔ یہ قصبہ عراق کے مشہور قصبوں میں سے ایک ہے۔ وہاں ایک شخص رہا کرتا تھا۔ میں اس کے نام اور خاندان سے اچھی طرح واقف بھی ہوں۔

جب اس کا انتقال ہوا اور اسے دفن کر دیا گیا تو چونکہ اس کی قبر میرے گھر کے سامنے ہی تھی لہٰذا میں نے دیکھا کہ چالیس دن تک مغرب کے وقت اس کی قبر سے شعلے بلند ہوا کرتے تھے اور رونے اور چلّانے کی درد بھری آوازیں سنائی دیا کرتی تھیں۔ بلکہ شروع کی راتوں میں تو وہ شخص اس بُری طرح نالہ و فریاد کیا کرتا تھا کہ میں سخت خائف اور پریشان ہو گیا تھا۔ اور اس خوف کی وجہ سے مجھ پر لرزہ طاری ہو جاتا تھا۔ یہاں تک کہ مجھے غش آجاتا تھا اور میں خود کو سنبھال نہیں پاتا تھا۔ لوگ میری یہ حالت دیکھ کر مجھے اٹھا کر گھر لے جاتے تھے۔

چند دنوں کے بعد جب میں نے اپنے آپ پر قابو پا لیا تو مجھے اس شخص کے بارے میں جاننے کی فکر لاحق ہوئی۔ کیوں کہ جو کچھ میں نے دیکھا تھا اس سلسلے میں حیران و پریشان تھا۔

دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ اس شخص نے اپنی زندگی میں اپنے محلّے کے بعض غلط عدالتی فیصلے کیے تھے۔ اور ایسے ہی فیصلوں میں سے ایک فیصلہ اس نے کسی سید کے ساتھ بھی کیا تھا۔

وہ سید اپنا قرض ادا کرنے پر قادر نہیں تھا۔ چنانچہ یہ رقم حاصل کرنے کے لیے اس نے کچھ عرصے تک اسے اپنے گھر کی چھت سے لٹکا رکھا تھا!

ٹیکس وصول کرنے والے کی موت

ایک معتبر شخص بیان کرتا ہے:

کچھ عرصہ قبل کاشان میں جو کہ ایران کے قدیم شہروں میں سے ایک ہے محمد علی نامی ایک عطار رہا کرتا تھا۔ بعد میں اس نے حکومت کی ملازمت کر لی اور وہ ٹیکس وصول کرتا تھا۔ اس شخص نے حکیمی دوائیوں اور جڑی بوٹیوں پر اپنی اجارہ داری قائم کر رکھی تھی۔ چنانچہ کوئی بھی شخص جڑی بوٹیاں خرید و فروخت کرنے کا آزادانہ حق نہیں رکھتا تھا۔

ایک مرتبہ کسی غریب سید نے تین کلو سریش حاصل کر کے اسے ایک شخص کے ہاتھ بیچ دیا۔ ٹیکس وصول کرنے والے اس ظالم کو جب پتہ چلا تو اس نے سید کو بھرے بازار میں گالیاں دیں اور چند تھپڑ رسید کر دیے! وہ بے چارہ یہ کہتا ہوا جانے لگا کہ تجھے اس کی سزا میرے جدّ دیں گے۔

اس ظالم نے جب یہ سنا تو اپنے ملازم سے کہا کہ اسے پکڑ کر میرے پاس لے آؤ اور پھر اس کی گدّی پر کئی ہاتھ مارے اور کہنے لگا:

"اب جاؤ، اپنے جد سے کہو کہ وہ میرا ہاتھ کاندھے سے ناکارہ کر دیں!"

دوسرے ہی دن وہ ظالم بخار میں مبتلا ہو گیا اور رات میں اس کے دونوں

کاندھے ناکارہ ہوگئے۔ اس کے بعد کاندھوں پر ورم آگیا اور اس سے خون اور پیپ رسنا شروع ہوگئی۔

چوتھے دن نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ اس کے کاندھوں کے تمام گوشت کو کاٹنا پڑا اور اس طرح اس کے کاندھوں کی ہڈیاں باہر نکل آئیں۔ آخر کار ساتویں دن وہ مرگیا!!!

سچ ہے جو بھی اولادِ علیؑ پر ظلم وستم کرتا ہے وہ اس کے بُرے انجام سے نہیں بچ سکتا۔

جنّت کی ضمانت

علی ابنِ ابو حمزہ بیان کرتے ہیں کہ میرا بنی امیہ کے دربار میں ملازمت کرنے والے ایک شخص کے ساتھ اُٹھنا بیٹھنا تھا۔ ایک دن وہ مجھ سے کہنے لگا:

"میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے ملنا چاہتا ہوں تم اس سلسلے میں اجازت حاصل کرلو۔"

اجازت حاصل کرنے کے بعد جب میں اُسے لے کر امام علیہ السلام کی خدمت پہنچا تو سلام کے بعد اُس نے کہا:

"قربان جاؤں! میں بنی امیہ کے دربار میں ملازمت کیا کرتا تھا۔ وہاں سے میں نے کافی مقدار میں دنیاوی مال و دولت حاصل کی ہے اور اس سلسلے میں میں نے حلال و حرام کی کوئی پرواہ نہیں کی ہے۔"

اس کی یہ بات سن کر امامِ عالی مقامؑ نے ارشاد فرمایا:

"اگر لوگ ان کے دربار میں دفتری کام کرکے، مالِ غنیمت جمع کرکے اور ان کے دشمنوں سے لڑ کر بنی امیہ کا ساتھ نہ دیتے تو وہ کبھی بھی ہمارا حق غصب نہیں کرسکتے تھے اور اگر لوگ بنی امیہ کو اسی حالت میں چھوڑ دیتے جس پر وہ تھے تو انھیں مزید کچھ مال و دولت حاصل نہیں ہوتا!"

پھر اس نے پوچھا:

"قربان جاؤں! جو کچھ میں نے کیا ہے کیا اس سے نجات حاصل کرنے کا کوئی طریقہ ہے؟"

امام علیہ السلام نے فرمایا:

"جو کچھ میں تم سے کہوں گا اس پر عمل کرو گے؟"

اُس نے کہا:

"جی ہاں!"

امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

"جو کچھ تم نے بنوامیّہ کے دربار سے حاصل کیا ہے اُسے ایک طرف نکال کر رکھ دو۔ پھر جن جن کا جو حق ہے اگر تم انھیں پہچانتے ہو تو وہ ان کے حوالے کردو اور اگر نہیں پہچانتے تو ان کی جانب سے راہِ خدا میں صدقہ دے دو تاکہ میں خداوند تبارک و تعالیٰ سے تمھارے لیے جنّت کی ضمانت لے لوں۔"

علی ابن ابوحمزہ کہتے ہیں کہ پھر اس شخص نے کچھ دیر سر جھکا کر سوچا اور پھر کہا:

"آپؑ پر فدا ہوجاؤں! جو کچھ بھی آپؑ نے ارشاد فرمایا ہے، میں اس پر عمل کروں گا!"

اس کے بعد وہ شخص میرے ساتھ کوفہ آگیا۔ اور جو کچھ بھی اس کے پاس تھا، امامؑ کی ہدایت کے مطابق وہ جنھیں پہچانتا تھا ان کے حوالے کردیا اور باقی مال راہِ خدا میں صدقہ کردیا۔ یہاں تک کہ اس نے اپنے جسم کا لباس بھی دے دیا!

یہی وجہ تھی کہ میں نے اپنے بعض دوستوں سے کچھ لے کر اس کے لیے

ایک لباس خریدا اور کچھ رقم خرچ کے لیے مہیّا کی۔ اسی طرح چند مہینے گزر گئے۔ یہاں تک کہ وہ بیمار پڑ گیا۔

اسی بیماری کی حالت میں ایک مرتبہ جب میں اس کے پاس پہنچا تو وہ جان کنی کے عالم میں تھا کہ یک بارگی اس نے اپنی آنکھیں کھولیں اور کہا:

"اے علی ابن ابوحمزہ! خدا کی قسم تمھارے آقا و مولا نے اپنا وعدہ پورا کردیا ہے!"

یہ کہتے ہی اس کا انتقال ہوگیا۔ پھر ہم نے اس کی تجہیز و تکفین کردی اور کچھ عرصے بعد جب میں مدینہ پہنچا اور امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں رسائی حاصل کی تو آپؑ نے مجھے دیکھتے ہی فرمایا:

"اے علی! خدا کی قسم، میں نے تمھارے ساتھی سے جو وعدہ کیا تھا اسے پورا کردیا۔"

میں نے عرض کیا:

"قربان جاؤں! سچ فرماتے ہیں، اس نے بھی مرتے وقت مجھ سے یہی کہا تھا۔"

امام موسیٰ کاظمؑ کی صفوان کو ہدایت

کوفہ کے صفوان بن مہران جمال (اُونٹ کرائے پر دینے والے) کا شمار امام جعفر صادق اور امام موسیٰ کاظم علیہما السلام کے اصحاب میں ہوتا ہے۔ وہ بڑے متقی اور پرہیزگار تھے۔ صفوان کے پاس بے شمار اُونٹ تھے اور وہ ان اُونٹوں کو کرائے پر دے کر ضروریات زندگی پوری کیا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ صفوان جب ساتویں امامؑ کی خدمت میں پہنچے اور زیارت کا شرف حاصل کیا تو امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا:

"اے صفوان! سوائے ایک کام کے تمھارے سب کام اچھے ہیں!"

صفوان کہتے ہیں میں نے پوچھا:

"قربان جاؤں! وہ کون سا کام ہے؟"

امام علیہ السلام نے فرمایا:

"اُس آدمی (ہارون رشید) کو جو تم اپنے اونٹ کرائے پر دیتے ہو!"

صفوان نے کہا:

"میں کرائے پر یہ اونٹ کسی لالچ یا مال و دولت بڑھانے کے لیے نہیں دیتا ہوں۔ اور نہ کرائے سے حاصل ہونے والی رقم فضول شکار پر جا کر خرچ کرتا ہوں اور نہ

ہی اسے لہو ولعب میں استعمال کرتا ہوں۔ خدا کی قسم چونکہ وہ شخص میرے اُونٹوں کو حج کے لیے لے جاتا ہے۔ لہٰذا یہ میں اُسے کرائے پر دے دیتا ہوں۔ اور میں خود اُس کے ساتھ نہیں رہتا بلکہ اپنے ملازم اس کے ساتھ کر دیتا ہوں۔"

ساتویں امامؑ نے پوچھا:

"تم نقد کرایہ وصول کر لیتے ہو یا کرائے کی رقم اُدھار رہتی ہے؟"

صفوان کہتے ہیں میں نے جواب دیا:

"جی ہاں، یہ کرایہ ادھار رہتا ہے اور حج سے آنے کے بعد وہ مجھے دے دیتا ہے۔"

امام علیہ السلام نے دریافت فرمایا:

"کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ ہارون اور اس کے رشتہ دار تمھارے کرائے کی رقم ادا کرنے تک زندہ وسلامت رہیں؟"

صفوان نے کہا:

"ہاں! ایسا تو ہے۔"

امام علیہ السلام نے فرمایا:

"جو شخص بھی انھیں چاہے اور دوست رکھے اس کا شمار ان ہی لوگوں میں ہوگا اور وہ جہنم میں ان ہی کے ساتھ جائے گا!"

صفوان کہتے ہیں کہ پھر میں نے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی اس ہدایت کے بعد اپنے تمام اونٹ فروخت کر دیے۔ یہ اطلاع ہارون رشید کو ملی تو اُس نے مجھے بلوا کر پوچھا:

"جیسا کہ میں نے سُنا ہے کیا تم نے تمام اونٹ فروخت کر دیے ہیں؟"

صفوان نے جواب دیا:

"ہاں! اب میں بوڑھا اور کمزور ہو گیا ہوں۔ اپنے اونٹوں کی نگرانی اب

میرے بس کی بات نہیں رہی ۔ اور میرے غلام بھی ان کی دیکھ بھال کرنے سے قاصر ہیں۔"

ہارون نے کہا :

" نہ یہ بات صحیح ہے نہ وہ بات ، مجھے معلوم ہے کہ کس نے تجھے اس کام کی طرف رغبت دلائی ہے ۔ تو نے موسیٰ بن جعفرؑ کے اشارے پر یہ کام کیا ہے ! "

صفوان کہتے ہیں کہ میں نے جواب دیا :

" مجھے موسیٰ ابن جعفرؑ سے کیا کام ؟! "

ہارون نے کہا :

" جھوٹ بولتے ہو، اگر تم سے میری پرانی جان پہچان نہ ہوتی تو تم کو قتل کرا دیتا ۔ "

بڑے خطرے سے بچا لیا

جن دنوں منصور دوانیقی مکۂ معظمہ گیا ہوا تھا ۔ وہاں ایک روز انتہائی قیمتی موتی اس کے پاس فروخت کے لیے لایا گیا ۔ اس نے کچھ دیر موتی کو دیکھا اور پھر کہنے لگا :

" ہو نہ ہو یہ موتی ہشام ابن عبد الملک مروان کا ہے اور یہ مجھے ملنا چاہیئے ۔ اور چونکہ ہشام کا بیٹا محمد اس موتی کو بیچنے کے لیے لایا ہوگا لہٰذا کسی طرح اس سے یہ حاصل کر لینا چاہیئے ۔ "

اس کے بعد اپنے ایک محافظ ربیع سے کہا :

کل صبح کی نماز کے بعد مسجدِ حرام کے تمام دروازوں کو بند کر دو ۔ پھر ایک دروازہ کھول کر لوگوں کو باری باری اس میں سے گزرنے کی اجازت دو ۔ پھر جوں ہی محمد ابن ہشام باہر نکلنے کے لیے دروازے پر آئے اسے پکڑ کر میرے پاس لے آؤ ۔ "

دوسرے دن نماز فجر کے بعد مسجد کے تمام دروازے بند کر دیے گئے ۔ اور یہ اعلان کر دیا گیا کہ لوگ فلاں دروازے سے ایک ایک کر کے باہر نکلیں ۔ یہ اعلان سن کر محمد سمجھ گیا کہ اسے گرفتار کرنے کے لیے منصوبہ بنا لیا گیا ہے ۔ چنانچہ

وہ خوف اور وحشت کے عالم میں اِدھر اُدھر پھر رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ ایسے موقع پر جناب محمد ابنِ زید ابنِ علیؑ ابن حسینؑ اس کے قریب آئے اور دریافت فرمایا:

"تم کون ہو؟ اور اس طرح کیوں حیران و پریشان ہو؟"

اس نے کہا:

"اگر میں یہ بتادوں کہ کون ہوں تو میری جان نہیں بچ سکتی!"

محمد ابن زید نے فرمایا:

"میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمھیں اس بڑے خطرے سے بچالوں گا۔"

اس نے کہا:

"میں محمد ابن ہشام ابن عبدالملک ہوں، اب آپ بتائیے کہ آپ کون ہیں؟"

اس سیّد جلیل القدر نے بتایا:

میں محمّد ابن زید ابن علیؑ ابن حسینؑ ہوں۔ گو کہ تمھارے باپ نے میرے والد بزرگوار کو شہید کیا ہے لیکن پھر بھی اے میرے چچا کے بیٹے! میں تجھے کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔ کیونکہ تم میرے باپ کے قاتل نہیں ہو اور ناحق تمھارا خون بہا کر میرے والدِ محترم کے خون کا بدلہ نہیں لیا جا سکتا۔ اب جس طرح بھی ممکن ہوگا میں تمھیں اس خطرے سے نجات دلادوں گا۔ اس سلسلے میں، میں نے ایک ترکیب سوچی ہے اور میں اس پر اس وقت تک عمل کروں گا جب تم اس سے اتفاق کروگے اور گھبراؤگے نہیں۔"

یہ کہہ کر محمد ابن زید نے اپنی ردا سر سے اُتار کر اس کے سر پر ڈال دی۔ اور کھینچتے ہوئے اور تھپڑ مارتے ہوئے اُسے مسجد کے دروازے تک لے آئے اور

ربیع نامی محافظ سے فریاد کرتے ہوئے کہا:

"یہ خبیث آدمی کوفہ کا شتربان ہے۔ اس نے مجھے اپنا اُونٹ کرائے پر آنے جانے کے لیے دیا تھا۔ لیکن پھر یہ بھاگ گیا اور اپنا اُونٹ کسی اور کو کرائے پر دے دیا۔ میرے پاس اس بات کے ثبوت میں دو عادل گواہ بھی موجود ہیں۔ اب مہربانی فرما کر اپنے دو سپاہیوں کو میرے ساتھ کر دیجیے تاکہ میں اسے قاضی تک لے جاؤں!"

یہ سُن کر ربیع نے فوراً اپنے دو سپاہیوں کو محمد ابن زید کے ساتھ کر دیا اور وہ سب آسانی کے ساتھ مسجد سے باہر نکل آئے۔ راستے میں ابنِ زید نے محمد ابن ہشّام سے مخاطب ہو کر کہا:

"اے خبیث آدمی! اگر تم میرا حق ادا کر دو تو میں ان دونوں سپاہیوں اور قاضی کو زحمت نہ دوں!"

محمد ابنِ ہشّام پوری طرح معاملہ کی تہہ تک پہنچ چکا تھا چنانچہ اس نے کہا:

"یا ابن رسول اللہ! میں آپ کا حکم مانوں گا اور حق ادا کر دوں گا۔"

پس محمد ابن زید نے دونوں سپاہیوں سے فرمایا:

"چونکہ اب یہ شخص میرا حق ادا کرنے کا عہد کر رہا ہے لہٰذا آپ دونوں زحمت نہ فرمائیں۔"

چنانچہ وہ دونوں سپاہی واپس لوٹ گئے۔

اس طرح محمد ابن ہشّام کو موت کے خطرے سے بآسانی نجات مل گئی۔

اس نے محمد ابن زید کے سر اور پیشانی کو چومتے ہوئے کہا:

"میرے ماں باپ آپ پر قربان جائیں، خدا بہتر جانتا ہے کہ اُس نے

رسالت کو آپ ہی کے خاندان میں قرار دیا ہے۔"

اس کے بعد ہشام کے بیٹے نے وہ قیمتی موتی اپنی جیب سے نکالا اور کہنے لگا:

"اس ہدیہ کو قبول کر کے مجھے عزت عطا فرمائیے!"

محمد ابنِ زید نے فرمایا:

"ہمارا خاندان وہ ہے کہ جو نیکی کرنے کے عوض کوئی چیز نہیں لیتا، میں نے تو تجھ سے اپنے والد محترم کے خون کا بدلہ نہیں لیا تو بھلا یہ موتی کیوں لوں گا۔"

خدا نے اُس کی فریاد سُن لی

بزرگوں میں سے ایک بزرگ عالم بیان فرماتے ہیں:

ایک شخص کے چہرے کو میں نے جانکنی کی حالت میں انتہائی سیاہ، ہولناک گھناؤنا اور بدبودار پایا۔ یہ حالت دیکھ کر مجھے خوف محسوس ہوا اور میں سوچنے لگا کہ اس طرح مرنے کے بعد اس پر کیا گزرے گی۔

اتنے میں ایک آواز بلند ہوئی:

"اے ملک الموت! ذرا ٹھہرو کہ اس شخص کا مجھ پر ایک حق ہے جو اس وقت ادا کیا جائے گا!"

چنانچہ اس پر انوارِ رحمت کا سلسلہ شروع ہو گیا اور اس کا چہرہ چمک اٹھا، چہرے سے خوف و وحشت کے بجائے معصومیت ٹپکنے لگی اور بدبُو کی جگہ اس سے بہترین خوشبُو آنے لگی۔ یہاں تک کہ اس کا برزخی جسم بلّور جیسی چمکدار اور صاف شفّاف دھات کی طرح نور افشانی کرنے لگا۔

پھر اس حالت میں بڑے آرام سے اس شخص کی رُوح جسم سے نکال لی گئی۔

وہ عالم بزرگوار کہتے ہیں کہ میں نے خدا سے یہ سمجھنے کی خواہش کی کہ آخر

اس شخص کا خدا پر کون سا حق تھا۔ چنانچہ رات کو میں نے اسے خواب میں دیکھا اور اس سے سوال کیا کہ جان کنی کے موقع پر تمھارے ساتھ کیا معاملہ تھا؟

اس نے بتایا:

"جیسا کہ تم جان کنی کے موقع پر میرا انجام دیکھ رہے تھے۔ میں بہت بُرا آدمی ہوں۔ البتہ ایک دن میں نے جب ایک مظلوم کو بلاوجہ پھانسی پر چڑھتے دیکھا تو چونکہ حکومت میں میرا اثر و رسوخ تھا لہٰذا میں نے کوشش کر کے اُس بے قصور کو بچا لیا۔ یہی وجہ تھی کہ خداوندِ عالم نے سخت ترین حالت میں میری فریاد سُن لی!"

شیاطین کی ماں!

کتاب انوارِ جزائری میں ہے کہ قحط کے زمانے میں کسی مسجد کے واعظ نے منبر سے کہا:

"جب کوئی شخص صدقہ دینا چاہتا ہے تو ستر شیطان اس کے ہاتھوں سے چمٹ جاتے ہیں اور اسے ایسا نہیں کرنے دیتے!"

ایک مومن نے منبر سے جب یہ بات سُنی تو اُسے بڑا تعجب ہوا اور اپنے دوستوں سے کہنے لگا:

"صدقہ دینے میں ایسی تو کوئی بات نہیں ہوتی! میرے پاس کچھ گندم ہے میں جاتا ہوں اور ابھی مستحقین کے لیے مسجد لے آتا ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ اپنی جگہ سے اُٹھا اور گھر پہنچا۔ اُس کی بیوی اپنے شوہر کے ارادے سے آگاہ ہوئی تو اسے بُرا بھلا کہنے لگی یہاں تک کہ شدید دھمکی آمیز انداز میں بولی:

"تمھیں اس قحط کے زمانے میں اپنے بیوی بچّوں کا کوئی خیال نہیں ہے؟ ہو سکتا ہے قحط سالی کا یہ سلسلہ طویل ہو جائے اور اس وقت ہم لوگ بھوک سے مر جائیں ——!"

اس کے علاوہ اور نہ جانے وہ کیا کیا کہتی رہی۔ بس مختصر یہ کہ بیوی نے اس کے دل میں اتنا وسوسہ پیدا کر دیا کہ وہ بے چارہ خالی ہاتھ مسجد آ گیا۔

اس کے دوستوں نے پوچھا:

"کیا ہوا ___؟ تم نے دیکھا کہ ستر شیطان تمھارے ہاتھوں سے چمٹ گئے اور تمھیں صدقہ نہیں دینے دیا!"

اس شخص نے جواب دیا:

"میں نے شیطانوں کو تو نہیں دیکھا، البتہ شیطانوں کی ماں کو دیکھا ہے جو کہ ایسا نہیں کرنے دیتی ہے!"

شیطان نمازی کے رُوپ میں!

بہت عرصہ ہوا ایک عابد و زاہد شخص ہمیشہ عبادتِ الٰہی اور اطاعتِ پروردگار میں لگا رہتا تھا اور شیطان کی ہر ممکن کوشش کے باوجود وہ اپنے راستے سے ذرہ برابر بھی نہیں ہٹ سکا۔ بالآخر شیطان نے ایک مخصوص آواز نکالی اور اپنے تمام چیلوں کو جمع کر کے بولا:

"میں اس عابد کے سامنے عاجز ہو کر رہ گیا ہوں! کیا تم لوگ اس سلسلے میں کوئی راہ نکال سکتے ہو؟"

شیطان کے ایک چیلے نے کہا:

"میں اس کے دل میں وسوسہ پیدا کروں گا تاکہ وہ فعلِ حرام کی طرف مائل ہو جائے۔"

شیطان نے کہا:

"یہ بے فائدہ ہے کیونکہ اس نے اپنی اس خواہش پر مکمل قابو پا لیا ہے۔"

دوسرے چیلے نے کہا:

"میں اسے لذیذ کھانوں کی طرف رغبت دلا کر دھوکا دوں گا یہاں تک کہ وہ حرام خوری اور شراب نوشی میں مبتلا ہو کر تباہ و برباد ہو جائے گا۔"

شیطان بولا :

" اس سے بھی کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ کیونکہ سالہاسال کی ریاضت کے بعد اس نے کھانے پینے سے متعلق لذّتوں پر قابو پالیا ہے۔ اور اس کی یہ خواہش بھی مرچکی ہے۔"

شیطان کے تیسرے چیلے نے کہا :

" میں اسے عبادت کے ذریعے گمراہ کروں گا ! وہ جس راستے پر چل رہا ہے اسی کے ذریعے بہکاؤں گا۔"

شیطان نے کہا :

" ہاں ! اس راستے پر چل کر تم کچھ کرسکتے ہو ! "

بالآخر شیطان کی اس میٹنگ میں طے پایا کہ اس عابد وزاہد شخص کی گمراہی کا کام اسی تیسرے چیلے کے سپرد کر دیا جائے۔ (اسی طریقے سے بہت سے دین داروں کو شیطان بہکاتا ہے اور ان کی عبادتوں کو ضائع و برباد کر دیتا ہے۔)

پھر شیطان کا وہ چیلا انسانی صورت میں نمازی کا روپ دھار کر آیا اور عابد وزاہد شخص کے سامنے فضا میں معلّق ہو کر نماز پڑھنے لگا۔ وہ مسلسل نماز پڑھے جا رہا تھا۔ عابد نے جب دیکھا کہ اس سے زیادہ عبادت کرنے والا سامنے موجود ہے اور بغیر کسی تھکاوٹ کے عبادت کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے ہے تو اس نے دل میں سوچا کہ جا کر اس سے پوچھنا چاہیئے کہ اس نے اس مقام تک کیسے رسائی حاصل کی ہے۔

عابد وزاہد شخص اس نماز پڑھنے والے کے قریب پہنچا لیکن اس نے کوئی توجہ نہ دی اور سلام کے بعد فوراً دوبارہ نماز پڑھنے لگا۔ یہاں تک کہ عابد نے اسے قسم دے کر کہا کہ تم صرف میرے ایک سوال کا جواب دے دو۔ یہ سُن کر شیطان تھوڑی دیر کے لیے رکا اور عابد نے اس سے سوال کیا :

" تم نے اس مقام تک کیسے رسائی حاصل کی ہے ؟! "

وہ بولا :

" مجھے یہ مقام ایک گناہ کا ارتکاب کرنے کی وجہ سے حاصل ہوا ہے! گناہ کرنے کے بعد میں نے اس سے توبہ کر لی ہے اور جب بھی اس کا خیال آتا ہے توبہ اور استغفار میں اسی طرح لگ جاتا ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ میری عبادت بڑھتی چلی جا رہی ہے۔ مجھے تو تمھاری بھلائی بھی اسی میں نظر آتی ہے کہ تم بھی جا کر فعلِ حرام کا ارتکاب کر لو اور اس کے بعد توبہ کرتے ہوئے اس مقام تک رسائی حاصل کر لو !! "

عابد نے کہا :

" میں بھلا فعلِ حرام کیسے کرسکتا ہوں۔ مجھے اس سلسلے میں کوئی واقفیت نہیں ہے اور میرے پاس تو رقم بھی نہیں ہے۔"

شیطان نے دو درہم اس کے حوالے کیے اور شہر کی فاحشہ عورت کا پتہ بتا دیا۔

عابد پہاڑ سے اُترا ، شہر میں داخل ہوا اور لوگوں سے پتہ پوچھتا ہوا فاحشہ کے گھر پہنچ گیا۔

لوگ سمجھے کہ یہ عابد اس فاحشہ عورت کو نصیحت کرنے جا رہا ہے۔ لیکن جب وہ فاحشہ عورت کے قریب پہنچا تو رقم دے کر اپنا مدّعا بیان کر دیا اور فعلِ حرام کا تقاضا کرنے لگا۔

یہی وہ موقع تھا کہ جب عابد کی عبادتیں اس کے کام آئیں اور لُطفِ پروردگار اس کے شاملِ حال ہو گیا۔ یہی وجہ تھی کہ اس فاحشہ عورت کو اس شخص کی ہدایت کا خیال آگیا۔

عورت نے آنے والے شخص کا چہرہ دیکھا۔ وہ بڑا متقی اور پرہیزگار

دکھائی دیتا تھا۔ صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ ایسی جگہ پر آنے کا عادی نہیں ہے۔ چنانچہ اُس نے پوچھا:

"تم یہاں کیوں آئے ہو؟!"

عابد نے کہا:

"تمھیں اس سے کیا مطلب، رقم لو اور جو میں چاہوں وہ کرنے دو۔"

عورت نے کہا:

"جب تک تم مجھے اصل حقیقت سے آگاہ نہیں کرو گے میں ایسا نہ ہونے دوں گی!"

بالآخر مجبوراً عابد نے سارا ماجرا بیان کر دیا۔ یہ سُن کر اس عورت نے کہا:

"اے عابد! اگرچہ کہ اس میں میرا نقصان ہے لیکن اتنا سمجھ لو کہ جس نے تمھیں میرے پاس بھیجا ہے وہ شیطان تھا!"

عابد نے کہا:

"اس نے تو مجھے یہ بتایا ہے کہ میں ایسا کر کے اسی کی طرح بلند مقام حاصل کروں گا اور جو باتیں تم کہہ رہی ہو ان میں کوئی صداقت نظر نہیں آتی۔"

عورت نے کہا:

"اے عابد! اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ فعلِ حرام کرنے کے بعد تمھیں توبہ کی توفیق بھی حاصل ہو۔ اور اگر توفیق حاصل ہو بھی جائے تو تمھاری توبہ خداوندِ متعال کی بارگاہ میں قبول بھی ہو جائے؟! اس سے ہٹ کر ذرا سوچو اور بتاؤ کہ کیا وہ کپڑا زیادہ بہتر ہے جو پھٹا ہوا نہ ہو یا وہ کپڑا بہتر ہے جو پھٹنے کے بعد دوبارہ جوڑ لگا کر سِیا گیا ہو؟! جس نے بھی تمھیں یہ بات بتائی ہے وہ شیطان ہے اور تمھیں دھوکا دے رہا ہے۔"

لیکن پھر بھی عابد اس کی بات قبول کرنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ بالآخر اس عورت نے کہا:

"میں یہیں ہوں۔ میرا کام بھی یہی ہے اور میں تمھاری بات ماننے کے لیے تیار ہوں۔ البتہ تم جا کر اسے دیکھو کہ وہ اسی جگہ پر عبادت میں مصروف ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو اسے دیکھ کر واپس آجانا۔ اور اگر وہ تمھیں دکھائی نہ دے تو سمجھ لینا کہ وہ شیطان تھا اور تمھیں بُری راہ پر لگا کر اس کا کام ختم ہو گیا۔ چنانچہ وہ فرار ہو گیا۔"

اور اچھی طرح سمجھ لو کہ جب چور پہچان لیا جائے تو وہ بھاگ جاتا ہے۔ اسی طرح جب مومن بھی سمجھ لیتا ہے کہ یہ وسوسہ شیطانی ہے تو وہ اس سے دور ہو جاتا ہے۔

وہ عابد جب اسے دیکھنے کے لیے گیا تو وہاں اس کا کوئی نام و نشان تک موجود نہیں تھا۔ عابد سمجھ گیا کہ یہ ملعون اس طرح چالاکی سے دھوکہ دے کر بہکانا چاہتا تھا۔

یہی وجہ ہے کہ اس عابد و زاہد شخص نے اس فاحشہ عورت کے لیے دعا کی اور روایت میں ہے کہ اسی رات وہ اس دنیا سے اُٹھ گئی۔ اس زمانے کے نبیؑ پر وحی نازل ہوئی کہ جا کر اس عورت کے جنازے میں شریک ہوں۔ اس نبیؑ نے خداوند عالم کی بارگاہ میں عرض کی:

"پروردگارا! وہ تو ایک بدنام فاحشہ تھی!"

وحی نازل ہوئی:

"کیونکہ اس عورت نے ہمارے اس بندے کو جو سیدھے راستے سے بھٹک گیا تھا دوبارہ ہماری طرف لوٹا دیا ہے اور اس طرح یہ عورت ہمارے بندے کی نجات کا سبب بنی ہے، لہٰذا ہم نے اسے بھی نجات عطا کر دی ہے۔"

انبیاءؑ اور وسوسۂ شیطان

تاریخ میں ہے کہ ایک دفعہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پہاڑ کی چوٹی پر تشریف فرما تھے تو اس وقت شیطان، انسانی صورت میں آیا اور کہنے لگا:

"اے عیسیٰؑ! اگر تم پہاڑ کی اس چوٹی سے گر جاؤ تو کیا تمھارا خدا تمھیں بچا سکتا ہے؟"

حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا:

"کیوں نہیں۔ میری حفاظت کرنے والا تو بقولِ شاعر ؎

گر نگہدار من آنست کہ من می دانم
شیشہ را در کنف سنگ نگہ می دارد

یعنی: میری حفاظت کرنے والا تو ایسا ہے جو شیشے کو بھاری پتھر کے زیرِ سایہ محفوظ رکھتا ہے اور میں یہ بات اچھی طرح جانتا ہوں۔"

پھر شیطان بولا:

"اگر تمھاری بات درست ہے تو یہاں سے چھلانگ لگا دو! تمھارا پروردگار تمھیں بچا لے گا!"

حضرت عیسیٰؑ سمجھ گئے کہ یہ وسوسۂ شیطانی ہے اور یہ ملعون اس طرح

بہکا کر مجھے دھوکا دینا چاہتا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

یہ ملعون کہہ رہا ہے کہ میں خدا کا امتحان لوں؟!

یہ بات بالکل غلط ہے اور وسوسۂ شیطانی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ میرا پروردگار اس امر پر قادر ہے۔ لیکن میں اس کا امتحان لینے کے لیے بھلا کیوں کر چھلانگ لگا سکتا ہوں؟!

اس کے علاوہ میرے خالق نے مجھے ایسے کام سے منع کیا ہے، خودکشی اور جان کو مفت میں ضائع کرنا حرام ہے! ہاں البتہ یہ اور بات ہے کہ اگر تم اتفاقاً پہاڑ سے گر جاؤ اور ارادۂ الٰہی یہ ہو کہ تم زندہ رہو تو وہ تمھاری حفاظت فرمائے گا۔

حضرت ابراہیمؑ اور وسوسۂ شیطان

آپ نے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے سلسلے میں یہ واقعہ سُنا ہوگا کہ ایک مرتبہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے انھیں حکم ہوا کہ اپنے فرزند کو راہِ خدا میں قربان کردو۔ اور فرزند بھی حضرت اسماعیلؑ جیسا کہ جس کی عمر تیرہ سال تھی اور جو ظاہری و معنوی دونوں لحاظ سے پاک و پاکیزہ اور خوبصورت تھا۔

حکمِ الٰہی پاکر حضرت ابراہیمؑ اپنے فرزند اسماعیلؑ کو منیٰ کے مقام پر لے آئے۔

شیطان یہ عمل دیکھ کر مچلنے لگا۔ وہ جانتا تھا کہ اس عمل کی انجام دہی کے بعد حضرت ابراہیمؑ کا درجہ مزید بلند ہوجائے گا اور وہ "خلیل اللہ" قرار پائیں گے۔ چنانچہ وہ کیسے نچلا بیٹھ سکتا تھا۔

سب سے پہلے اس نے جناب ہاجرہ کے دل میں وسوسہ پیدا کیا اور بولا:

"میں نے ایک بوڑھے کو دیکھا ہے جو نوجوان کو اپنے ساتھ لیے جارہا ہے، وہ تمھارا کیا لگتا ہے؟"

ہاجرہ نے کہا:

"وہ میرے شوہر ہیں۔"

شیطان نے کہا:

"جانتی ہو وہ کیا کرنا چاہتا ہے؟ وہ چاہتا ہے کہ اپنے بیٹے کا سر کاٹ ڈالے ـــــ!!

جناب ہاجرہ نے کہا:

"ابراہیمؑ نے کبھی کسی کو کوئی تکلیف نہیں پہنچائی تو بھلا پھر وہ اپنے ہی فرزند کو کیسے قتل کرسکتے ہیں؟!"

ابلیسؑ بولا:

"وہ سمجھتے ہیں کہ خدا نے انھیں ایسا کرنے کا حکم دیا ہے۔"

حضرت ہاجرہ سمجھ گئیں کہ یہ وسوسۂ ابلیس ہے۔ چنانچہ فرمایا:

"اے ملعون یہاں سے چلا جا۔ اگر حکمِ خدا ہے تو اس کی بجا آوری میں کوئی حرج نہیں ہے۔"

یہاں سے مایوس ہوکر شیطان، حضرت ابراہیمؑ کے پاس آیا اور بولا:

"یہ تم کیا کرنا چاہتے ہو؟!"

حضرت ابراہیمؑ نے جواب دیا:

"میں اسے ذبح کرنا چاہتا ہوں۔"

وہ بولا:

"اس کی کوئی خطا تو نہیں ہے!"

حضرت ابراہیمؑ نے کہا:

"حکمِ خدا یہی ہے!"

اس نے کہا:

"اے ابراہیمؑ! اگر تم اپنے بیٹے کو ذبح کرڈالوگے تو تمھیں اچھی طرح معلوم

ہے کہ یہ عمل سنّت قرار پائے گا اور پھر دوسرے لوگ بھی یہی کام کریں گے۔"

انھوں نے جواب دیا :

"حکمِ خدا یہی ہے !"

وہ بولا :

"کیا اس معاملے میں حکمِ خدا نہ ہونے کا احتمال ممکن نہیں ہے ؟!"

جب شیطان نے یہ بات کہی تو حضرت ابراہیمؑ نے اس پر پتھر پھینکا چنانچہ پتھر پھینکنے کا یہی عمل "رمی جمرات" کے نام سے سنّت ہو گیا۔

یہ وسوسۂ شیطان کی ایک مثال ہے۔ مومن کو چاہیے کہ وہ ہمیشہ ہوشیار رہے۔ کہیں شیطانی وسوسے اسے کاہل اور سست نہ بنا دیں۔ خاص طور سے راہِ خدا میں مال و دولت خرچ کرنے کے موقع پر شیطان کی بھرپور کوشش ہوتی ہے کہ ایسا نہ ہونے پائے۔

حضرت ہاجرہ اور حضرت ابراہیمؑ کے بعد ابلیس، تیرہ سالہ نوجوان اسماعیلؑ کی طرف متوجّہ ہوا۔ حضرت اسماعیلؑ اپنے والد کے پیچھے پیچھے جا رہے تھے کہ اتنے میں شیطان نے کہا :

"صاحب زادے! جانتے ہو تمھارے والد تمھیں کہاں لے جا رہے ہیں ؟"

انھوں نے جواب دیا :

"نہیں !"

وہ بولا :

"یہ تمھیں ذبح کرنا چاہتے ہیں !"

اسماعیلؑ نے پوچھا :

"میرے والد یہ کام کیوں کر رہے ہیں ؟"

اس نے کہا :

"کہتے ہیں حکمِ خدا یہی ہے !"

حضرت اسماعیلؑ نے فرمایا :

"اگر حکمِ خدا یہی ہے تو میری جان اس حکم پر قربان ہو جائے !"

اور جب اسماعیلؑ نے یہ محسوس کیا کہ شیطان کسی طرح پیچھا نہیں چھوڑ رہا ہے تو اپنے والد کو مدد کے لیے پکارا :

"بابا جان ! دیکھیے یہ کون ہے جو کسی طرح پیچھا نہیں چھوڑ رہا ہے ؟!"

حضرت ابراہیمؑ نے اپنے بیٹے کو بتایا :

"یہ شیطان ہے !"

چنانچہ حضرت اسماعیلؑ نے بھی اس کو ایک پتھر پھینک مارا۔

حضرت ذوالکفلؑ غصّے میں نہیں آتے

کتاب بحارالانوار میں حضرت ذوالکفلؑ کا تذکرہ موجود ہے اور لکھا ہے کہ آپ گزشتہ انبیاءؑ میں سے تھے۔ قرآن مجید میں بھی آپ کا نام آیا ہے:

"والیسع وذاالکفل۔"

آپ کا مقبرہ "حلّہ" کے قریب ہے۔ روایت میں ہے کہ آپ سے پہلے حضرت یسعؑ پیغمبر تھے اور ذوالکفلؑ کا شمار ان کے حواریوں میں ہوتا تھا۔ انھوں نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں اپنے اصحاب سے کہا:

"تم میں سے جو شخص بھی یہ عہد کرے گا اور حق تعالیٰ کے حضور اس کا پابند رہے گا وہ میرا وصی قرار پائے گا۔ اور میں یہ عہد لینا چاہتا ہوں کہ اپنے غصّے کے عالم میں شیطان کی پیروی کرنے سے باز رہو۔"

حضرت ذوالکفلؑ کو اپنے اوپر مکمّل اعتماد تھا۔ چنانچہ انھوں نے یہ عہد کر لیا کہ وہ کبھی بھی شیطان کے زیر اثر آکر غصہ نہیں کریں گے۔

ایک دن شیطان نے اپنے تمام چیلوں کو جمع کرنے کے بعد کہا:

"میں ذوالکفلؑ سے عاجز آگیا ہوں۔ جو کچھ بھی کرتا ہوں وہ غصّے میں نہیں آتا اور اپنے عہد پر برقرار ہے۔"

شیطان کا ایک چیلا جس کا نام ابیض تھا کہنے لگا:

"میں اسے غصّہ دلانے کی ذمّہ داری قبول کرتا ہوں!"

چنانچہ یہ کام اس کے سپرد کر دیا گیا۔

حضرت ذوالکفل پیغمبر کی ایک خصوصیت اور طریقہ یہ بھی تھا کہ وہ رات میں بالکل نہیں سوتے تھے اور ساری ساری رات ذکر الٰہی اور یادِ خدا میں گزار دیا کرتے تھے۔ البتہ وہ دن میں اپنے ذاتی کام کاج اور لوگوں کے دیگر امور انجام دینے کے بعد ظہر سے پہلے سو جایا کرتے تھے اور عصر کے بعد دوبارہ لوگوں کے معاملات کو نمٹاتے تھے۔

ابھی حضرت ذوالکفلؑ ظہر سے پہلے سوئے ہی تھے کہ شیطان کا وہ چیلا آکر دروازہ کھٹکھٹانے لگا۔ دربان نے اس سے پوچھا:

"کیا کام ہے؟"

اس نے کہا:

"ایک معاملہ ہے ان سے حل کرانا چاہتا ہوں۔"

دربان نے اس سے کہا:

"کل صبح آجانا اس وقت ذوالکفلؑ سو رہے ہیں۔"

یہ سُن کر وہ شیطان زور زور سے فریاد کرنے لگا اور بولا: میں بہت دور سے آیا ہوں اور کل نہیں آسکتا۔

حضرت ذوالکفلؑ فریاد سُن کر بیدار ہو گئے اور بڑی بردباری سے فرمایا:

"جاؤ اور اپنے مدعا علیہ سے کہو کہ کل آجائے میں تمھارے معاملے کی تحقیق کر کے کوئی فیصلہ کر دوں گا۔"

اس نے کہا: "وہ نہیں آتا!"

آپؑ نے فرمایا:

"میری یہ انگوٹھی لے جاکر اسے بطور نشانی دے دو اور کہو کہ تمھیں ذوالکفلؑ نے بلایا ہے۔"

اور اس کے بعد ذوالکفلؑ اس دن نہیں سو سکے۔

شیطان چلا گیا اور دوسرے دن عین اسی وقت آن پہنچا جب حضرت ذوالکفل بالکل اسی وقت سوئے تھے۔ اور پھر پہلے دن کی طرح وہ آج بھی چیخ و پکار کرنے لگا اور آخر کار ذوالکفلؑ بیدار ہو گئے اور بڑی نرمی سے اسے سمجھاتے ہوئے منع کیا اور ساتھ ہی ایک خط بھی تحریر کر کے اس کے حوالے کیا اور کہا کہ یہ لے جا کر مدّعا علیہ کو دے دو اور اسے بلا لاؤ۔

ابیض نامی شیطان کا وہ چیلا چلا گیا اور حضرت ذوالکفلؑ دوسرے دن بھی نہیں سو سکے۔ اور اپنے معمول کے مطابق رات بھر عبادت میں مشغول رہے۔

اس کے بعد تیسرا دن بھی آ گیا۔ اندازہ کیجیے کہ جو شخص تین دن اور تین رات بالکل نہ سویا ہو تو اس کے مزاج پر اس کا کتنا گہرا اثر پڑتا ہے اور وہ کتنی جلدی غصّے میں آ سکتا ہے۔ لیکن یہ حضرت ذوالکفلؑ تھے۔ چنانچہ شیطان کا وہ چیلہ اب تیسرے دن بھی اس پیغمبر کی نیند کے موقع پر آ کر ضد بحث کرنے لگا اور بولا:

"میں تمھارا خط لے کر اس کے پاس گیا تھا لیکن وہ کسی صورت یہاں آنے کے لیے تیار نہیں ہے۔"

شیطان یہ باتیں بڑے زور زور سے کر رہا تھا۔ یہاں تک کہ اس نے حضرت ذوالکفلؑ کو غصّہ دلانے کے لیے کہا:

"اگر تم خود اسی حالت میں میرے ساتھ چلو تو میرا مسئلہ حل ہو سکتا ہے۔"

روایت میں ہے کہ اس وقت بڑی شدید گرمی پڑ رہی تھی اور سورج کی تمازت

کا یہ عالم تھا کہ اگر گوشت کی کوئی بوٹی اس میں ڈال دی جاتی تو وہ بھی بھن جاتی۔

اب ایسی سخت گرمی اور نیند کی حالت میں کتنا زیادہ غیظ و غضب میں مبتلا ہونا چاہیئے تھا؟! لیکن حضرت ذوالکفلؑ نے فرمایا:

"بہت خوب اسی حالت میں چلتے ہیں!"

پھر اسی سخت گرمی میں کچھ دور تک شیطان کا وہ چیلا ساتھ چلا اور جب اس نے دیکھ لیا کہ کسی بھی صورت حضرت ذوالکفلؑ غصّے میں نہیں آ سکتے تو اس نے ایک آہ بلند کی اور فرار ہو گیا۔

اسلام میں طب

ہارون رشید کے دربار میں ایک عیسائی طبیب بختیشوع نامی ہوا کرتا تھا ایک دن وہ واقدی نامی مسلمان شخص سے کہنے لگا:

"کیا آپ کے قرآن میں علمِ طب کے سلسلے میں کچھ آیا ہے؟"

واقدی نے کہا:

"کیوں نہیں، حق سبحانہٗ تعالیٰ نے پورے طب کو نصف آیت میں جمع کر دیا ہے۔ اس کا ارشاد ہے:

"کلوا واشربوا ولا تسرفوا"

"یعنی کھاؤ پیو لیکن اسراف مت کرو"

پھر اس طبیب نے پوچھا:

"تمہارے رسولؐ نے بھی طب کے سلسلے میں کچھ کہا ہے؟"

واقدی نے جواب دیا:

"کیوں نہیں! تمام طب کو ہمارے رسولؐ نے چند لفظوں میں جمع فرما دیا ہے آنحضرتؐ فرماتے ہیں:

المعدہ بیت الداء والحمیة رأس کل دواء واعط

کل بدن ما عودته

یعنی: معدہ درد و الم اور رنج و غم کا گھر ہے اور پرہیز سب دواؤں کا سردار ہے۔ اور تم اپنے جسم کو وہی کچھ دیا کرو جس کا وہ عادی ہو گیا ہو۔"

یہ سن کر اس نصرانی طبیب نے کہا:

"آپ کی کتاب اور آپ کے رسولؐ نے سارے کا سارا علمِ طب بیان کر دیا ہے اور علمِ طب کی بابت بیان کرنے کے لیے حکیم جالینوس کے لیے کچھ بھی نہیں چھوڑا۔"

روٹی کا اِحترام

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام، بیت الخلاء جا رہے تھے کہ اچانک آپؑ کی نظر روٹی کے ایک ٹکڑے پر پڑی۔ آپؑ نے اسے اُٹھایا اور اپنے غلام کو دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"اسے سنبھال کر رکھو۔"

اس کے بعد جب آپؑ واپس لوٹے تو غلام سے روٹی کا وہ ٹکڑا طلب فرمایا۔ غلام نے جواب دیا:

"میں نے وہ روٹی پاک کر کے کھا لی ہے!"

امامِ پنجمؑ نے فرمایا:

"تم راہِ خدا میں آزاد کیے جا رہے ہو۔"

کہنے والوں نے کہا:

"اس غلام نے کوئی ایسا کام نہیں کیا کہ جس کی وجہ سے یہ آزاد ہونے کا حق رکھتا ہے!"

امام علیہ السلام نے فرمایا:

"اس شخص نے روٹی کا احترام کیا ہے اور اس رزق کو پاک کر کے

کھا لیا ہے جس کی وجہ سے اس پر جنت واجب ہو چکی ہے۔ لہٰذا اب میں اسے اپنا غلام رکھنا پسند نہیں کرتا۔"

ایسی ہی روایت سید الشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام کے بارے میں بھی بیان کی گئی ہے۔

حضرت حزقیلؑ اور عبرت

تاریخ میں ہے کہ جب حضرت داؤد علیہ السلام سے ترکِ اَولیٰ[1] ہوگیا تو آپؑ گریہ وزاری کرتے ہوئے پہاڑوں اور صحراؤں کی جانب نکل پڑے۔ یہاں تک کہ جب آپؑ ایک پہاڑ پر پہنچے تو دیکھا غار کے اندر ایک شخص عبادت میں مصروف ہے۔ پہاڑ کی غار میں عبادت کرنے والا یہ شخص پیغمبر حضرت حزقیلؑ تھے۔

جب حضرت حزقیلؑ نے پہاڑوں اور جانوروں کی آواز سُنی تو سمجھ گئے کہ حضرت داؤدؑ آئے ہیں۔ (کیونکہ جب حضرت داؤدؑ زبور کی تلاوت کرتے تھے تو یہ سب کے سب ان کے ساتھ گریہ وزاری کرنے لگتے تھے) پہاڑ کے قریب پہنچنے کے بعد داؤدؑ نے کہا:

"اے حزقیلؑ! مجھے اوپر آنے کی اجازت دیجیے!"

حضرت حزقیلؑ نے کہا:

۱؎ ترکِ اولیٰ: وہ عمل ہوتا ہے کہ جو نہ حرام ہے اور نہ واجب۔ لیکن انبیاء اور اولیاءِ خدا اس کو انجام دیتے ہیں یا اس سے پرہیز کرتے ہیں لیکن عام انسانوں کے لیے ضروری نہیں ہے

"تم گنُاہ گار ہو!"

یہ سُن کر حضرت داؤد رونے لگے۔ پھر حضرت حزقیلؑ پر وحی نازل ہوئی کہ داؤدؑ کو ترکِ اولیٰ کرنے پر اس طرح ملامت مت کرو۔ اور جو بھی خیر وعافیت چاہتے ہو وہ مجھ سے طلب کرو۔ کیونکہ میں جس شخص کو بھی اس کے حال پر چھوڑ دیتا ہوں وہ یقیناً غلطیوں میں پڑ جاتا ہے۔

اس کے بعد حضرت حزقیلؑ حضرت داؤدؑ کا ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس لے آئے۔ داؤدؑ نے کہا:

"اے حزقیلؑ! کیا تم نے کبھی گنُاہ کا ارادہ کیا ہے؟"

انھوں نے جواب دیا:

"نہیں ـــــ!"

داؤدؑ نے پوچھا:

"کبھی تمھارے دل میں عُجب[1] پیدا ہوا ہے؟"

انھوں نے کہا:

"نہیں ـــــ!"

داؤدؑ نے پوچھا:

"کبھی تم دنیا کی طرف مائل ہوئے ہو اور تمھارے ذہن میں دنیاوی خواہشات کا خیال آیا ہے؟"

حضرت حزقیلؑ نے کہا:

"ہاں!"

۱؎ عُجب: اپنے کاموں کو اچھا سمجھنا اور اس طرح خود میں بڑائی محسوس کرنا۔

حضرت داؤدؑ نے پوچھا:

"تم اس کا علاج کس طرح کرتے ہو؟"

حضرت حزقیلؑ نے بتایا:

"میں پہاڑ کے اس غار میں چلا جاتا ہوں اور جو کچھ اس کے اندر موجود ہے اس سے عبرت حاصل کرتا ہوں!"

اس کے بعد حضرت داؤدؑ ان کے ساتھ غار میں داخل ہوئے۔ وہاں انھوں نے دیکھا کہ لوہے کی ایک چادر پر کچھ بوسیدہ ہڈیاں ہیں اور ساتھ ہی لوہے کی ایک لوح رکھی ہوئی ہے جس پر کچھ عبارت تحریر ہے۔ داؤدؑ نے اسے پڑھنا شروع کیا۔ لکھا تھا:

"میں اروای ابن شلم ہوں۔ میں نے ہزار سال تک بادشاہت کی ہے۔ ایک ہزار شہر بنائے اور ہزار نکاح کیے۔ اور آخر کار میرا یہ انجام ہوا کہ خاک میرا بچھونا ہے۔ پتھر میرا تکیہ ہے۔ سانپ اور چیونٹیاں میرے پڑوسی ہیں۔ لہٰذا میری یہ حالت دیکھ کر کسی کو دنیا کے دھوکے میں نہیں آنا چاہیئے!"

جب نوحؑ کے کوزے ٹوٹ گئے

حضرت نوح علیہ السلام کی بڑے لمبے عرصے کی تبلیغ کے باوجود جب کفار ایمان نہ لائے تو آپؑ نے بددعا کی اور تمام کفار غرق ہو گئے۔ طوفان کے بعد حضرت نوحؑ کوزے بنا کر فروخت کیا کرتے تھے۔ وہ گیلی مٹی سے کوزے بناتے اور پھر انھیں سکھا کر بیچ دیا کرتے تھے۔ یہی ان کا پیشہ تھا۔

ایک مرتبہ ایک فرشتہ ان کے پاس آیا اور ایک ایک کوزہ خریدنا شروع کیا اور پھر ان ہی کے سامنے انھیں توڑنا شروع کر دیا۔

یہ دیکھ کر حضرت نوحؑ کو بہت تکلیف ہوئی اور انھوں نے اس حرکت پر اعتراض کرتے ہوئے کہا:

"یہ تم کیا کر رہے ہو؟"

اس نے کہا:

"یہ تمھارا تو نہیں ہے۔ میں نے اسے خرید لیا ہے۔ اور اب مجھے پورا حق حاصل ہے کہ میں جو چاہے کروں۔"

حضرت نوحؑ نے کہا:

"ٹھیک ہے! لیکن میں نے انھیں بنایا ہے اور یہ میری مصنوعات ہیں

بس اپنی بنائی ہوئی چیزوں کو اس طرح سے ٹوٹتے ہوئے اور تباہ ہوتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا۔"

فرشتے نے کہا:

"آپؑ نے یہ کوزے بنائے ہیں۔ انھیں خلق تو نہیں کیا ہے؟ اور اب جب میں انھیں توڑ رہا ہوں تو آپؑ کو تکلیف ہو رہی ہے! جب ایسی ہی بات ہے تو پھر آپؑ نے اتنی بہت سی مخلوقاتِ الٰہی کے ہلاک ہونے کی بد دعا کیوں کی تھی؟!"

کتاب "علل الشرائع" میں لکھا ہے کہ اس واقعہ کے بعد وہ اتنا روئے کہ ان کا نام ہی نوحؑ پڑ گیا۔ یعنی نوحہ کرنے والے اور رونے والے۔

شاہین کی مہمان نوازی

سید جزائری اپنی کتاب انوار نعمانیہ میں لکھتے ہیں:

ایک بادشاہ اپنے خدمت گاروں اور سپاہیوں کے ساتھ سامانِ سفر تیار کر کے ایک روز شکار پر گیا۔ جب وہ پہاڑ کے دامن میں دوپہر کا کھانا کھانے دسترخوان پر بیٹھا تو ایک شاہین نے اچانک آ کر اس کے سامنے سے بھنے ہوئے مرغ کو پلک جھپکتے ہی اُٹھا لیا اور تیزی سے اُڑتا ہوا چلا گیا!

بادشاہ یہ بھنا ہوا مرغ کھانا چاہتا تھا لیکن وہ دیکھتا کا دیکھتا ہی رہ گیا۔ اس نے فوراً ہی اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ گھوڑوں پر سوار ہو کر شاہین کا پیچھا کریں اور مرغ واپس لے کر آئیں۔

فوراً ہی لشکر روانہ ہو گیا یہاں تک کہ شاہین کا تعاقب کرتا ہوا پہاڑ کے دامن میں جا پہنچا۔ اور اس کے بعد جب سپاہیوں نے دیکھا کہ شاہین پہاڑ کی دوسری جانب جا چکا ہے تو فوراً ہی یہ سپاہی گھوڑوں سے اُتر گئے اور پہاڑ کی بلندی پر جا پہنچے۔ پہاڑ کی دوسری جانب پہنچنے کے بعد انھوں نے بڑا عجیب وغریب منظر دیکھا۔

ان کے سامنے ایک شخص تھا جس کے ہاتھ اور پاؤں بندھے ہوئے تھے اور وہ زمین پر پڑا ہوا تھا۔ اور بھنا ہوا مرغ دسترخوان سے اٹھا کر لانے والا شاہین

بڑے مزے سے اس شخص کی مہمان نوازی کر رہا تھا۔ وہ پرندہ اپنی چونچ سے گوشت نوچ نوچ کر اس شخص کے مُنہ میں ڈال رہا تھا۔ اور اس کے بعد وہ اُڑا اور کہیں سے اپنی چونچ میں پانی بھر لایا۔ پھر اس نے یہ پانی بھی اس شخص کو پلا دیا۔ سپاہی اس شخص کے قریب پہنچے اور اس کے ہاتھ پاؤں کھول کر پوچھا کہ یہ کیا ماجرا ہے تو اُس نے سپاہیوں کا شکریہ ادا کرتے ہوئے بتایا:

"میں ایک تاجر ہوں۔ تجارت کے سلسلے میں اپنا مال و اسباب لے کر جا رہا تھا کہ اسی راستے میں ڈاکوؤں کا سامنا ہو گیا۔ وہ میرا مال و اسباب لُوٹ کر لے گئے۔ وہ چاہتے تھے کہ مجھے قتل کر دیں لیکن میں نے ان سے التجا کی کہ وہ مجھے جان سے نہ ماریں۔ وہ کہنے لگے:

"ہمیں اس بات کا ڈر ہے کہ تم کسی طرح آبادی تک پہنچ جاؤ گے۔" اور اس کے بعد ان لوگوں نے مجھے اور میرے خچر کو باندھ دیا اور چلے گئے۔

پھر دوسرے دن یہ پرندہ میرے لیے کہیں سے روٹی لے کر آیا اور آج یہ بُھنا ہوا مرغ لے آیا ہے۔ روزانہ دو مرتبہ یہ پرندہ میری مہمان نوازی کرتا ہے!

لکھا ہے کہ بادشاہ کو جب اس بات کا علم ہوا تو اس کی زندگی میں انقلاب آگیا۔ وہ کہنے لگا:

"افسوس ہے ہم پر کہ ہم ایسے خدا کی خدائی سے غافل رہیں جو اس انداز سے اپنے بندوں کو رزق فراہم کرتا ہے اور اپنا نظام چلاتا ہے۔"

یہ کہہ کر بادشاہ نے اپنی حکومت سے کنارہ کشی اختیار کر لی اور اپنے زمانے کا عابد و زاہد شخص بن گیا۔

کُتّے کے لیے رات بھر عبادت

ایک شخص کے بارے میں علماء نے لکھا ہے کہ ایک رات اس نے یہ سوچا کہ میں مسجد میں جا کر رات بھر عبادت کروں۔ چنانچہ وہ مسجد کے ایک گوشے میں جا کر نماز، ذکرِ الٰہی اور دعا میں مصروف ہو گیا کہ اتنے میں مسجد کے دوسرے گوشے سے اسے ذرا آہٹ محسوس ہوئی۔

وہ سوچنے لگا: یقیناً کوئی دوسرا شخص بھی خشوع و خضوع کے ساتھ رات بھر عبادت کرنے یہاں آیا ہے۔ یہ تو بہت ہی اچھا ہوا۔ کل صبح جب وہ مجھے دیکھے گا تو لوگوں کو یہ بتائے گا کہ میں بھی پوری پوری رات جاگ کر عبادت کرتا ہوں۔

اس خیال کے آتے ہی اس کے اندر خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی اور وہ بڑے جوش و خروش کے ساتھ رقت آمیز اور درد بھری آواز میں صبح تک عبادت کرتا رہا۔ جب صبح کا اجالا پھیلا تو اس نے دیکھا کہ مسجد کے دوسرے گوشے میں ایک کُتّا ہے جو سردی سے بچنے کے لیے یہاں آگیا ہے۔

معلوم ہوا کہ اس نے کُتّے کے لیے رات بھر عبادت کی۔ یعنی درحقیقت اس نے کُتّے کی پرستش کی تھی!

مالک دینار کا واقعہ

بیان کیا گیا ہے کہ مالک دینار اپنی زندگی کے ابتدائی ایام میں کرنسی کا لین دین کرتا تھا۔ اس کی مالی حالت کوئی زیادہ بُری نہیں تھی۔ البتہ وہ اپنی مالی پوزیشن زیادہ بہتر بنانے کے لیے شام کی جامع مسجد کا متولی بننا چاہتا تھا۔ ظاہر ہے کہ مسجد کا متولی بننے کے لیے اس نے اپنا بہت سا مال خرچ کر دیا لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ اس عہدے کے لیے لوگوں میں سب سے زیادہ متقی اور پرہیزگار ہونا بھی شرط ہے۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے اپنی خواہش کی تکمیل کے لیے تمام جمع پونجی لوگوں میں تقسیم کر دی اور اعتکاف میں بیٹھ گیا۔ تاکہ جو بھی مسجد میں آئے اسے معلوم ہو جائے کہ وہ ایک متقی اور پرہیزگار آدمی ہے۔ چنانچہ جب بھی کوئی شخص مسجد میں داخل ہوتا، مالک دینار فوراً ہی اُٹھ کر خضوع و خشوع کا اظہار کرتے ہوئے نماز پڑھنے لگتا۔

حیرت کی بات یہ تھی کہ جو بھی اس کے قریب سے گزرتا تو اس سے یہی پوچھتا:

"مالک! تم یہ کیا کر رہے ہو؟ اور اس سے کیا چاہتے ہو؟!"

اسی طرح ایک عرصہ گزر گیا اور کہتے ہیں کہ ایک رات اسے یہ خیال آیا کہ میں نے اپنی یہ کیا حالت بنا رکھی ہے۔ اور ان دنوں میں بلاوجہ کس خواہش میں

مبتلا ہو گیا ہوں؟! اسی خواہش میں پڑ کر میں نے اپنی جمع پونجی خرچ کر دی ہے۔ اور لوگ بھی سمجھ گئے ہیں اور ان پر یہ واضح ہو گیا ہے کہ میں کیا چاہتا ہوں۔ میں نے تو اپنی دنیا اور آخرت دونوں کی تباہی کا سامان کر لیا۔

پھر اُس رات مالک دینار نے سچے دل سے توبہ و استغفار کی اور اپنی ریاکاری پر نادم ہوا۔ اسے یہ پوری طرح احساس ہو چکا تھا کہ محض دکھاوے کے لیے میں نے نمازیں پڑھی ہیں اور مال خرچ کیا ہے۔

جی ہاں! اس کا یہی عمل قابلِ تعریف تھا۔ وہ صبح تک توبہ و استغفار اور گریہ وزاری میں سچے دل سے مصروف رہا۔ جب لوگ صبح کی نماز کے لیے مسجد آئے تو انھوں نے اس کا خاص احترام کیا اور دعا کے لیے درخواست کی اور سب ہی اس سے اپنی عقیدت مندی کا اظہار کر رہے تھے۔ پھر آہستہ آہستہ ملکِ شام میں مشہور ہو گیا کہ مالک دینار سب سے زیادہ متقی اور پرہیزگار ہے۔

پھر کچھ ہی دنوں بعد لوگوں نے آکر یہ تجویز پیش کی کہ آپ شام کی اس جامع مسجد اور اس میں وقف کی جانے والی دوسری تمام چیزوں کی دیکھ بھال کے فرائض انجام دینے کی ذمہ داری قبول کر لیجیے۔

اس نے جواب دیا:

"اب میں نے اپنے خدا کو پا لیا ہے۔ میری حالت بہتر ہو گئی ہے۔ اور میں خوش نصیب ہو گیا ہوں، لہٰذا یہ ذمہ داری قبول نہیں کروں گا!"

احمد ابنِ طولون اور قاریٔ قرآن

اگر آپ صاحبِ ایمان ہیں اور قرآن کی تلاوت کرنے والے ہیں تو آپ کے اس دنیا سے اُٹھ جانے کے بعد اگر ایک شخص بھی خلوصِ نیّت کے ساتھ آپ کے لیے قرآن کی تلاوت کرے گا تو وہ آپ کے کام آئے گا۔ ورنہ احمد ابن طولون کی طرح آپ کے لیے بھی ہوسکتا ہے کہ قرآن کی تلاوت مزید پریشانی کا باعث بن جائے! جیسا کہ دمیری نے کتاب "حیات الحیوان" میں لکھا ہے:

احمد ابن طولون مصر کا بادشاہ تھا۔ جب وہ مرگیا تو حکومت کی طرف سے ایک قاری کو معیّن کیا گیا کہ وہ جاکر اس کی قبر پر قرآن کی تلاوت کرے۔ اس سلسلے میں قاری کے لیے اچھا خاصا وظیفہ معیّن کیا گیا اور اس نے تلاوتِ قرآن کے سلسلے میں اپنی ذمّہ داری پوری کرنی شروع کردی۔

لیکن پھر وہ قاری اچانک غائب ہوگیا۔ کافی تلاش کے بعد آخر کار وہ ملا اور جب اس سے حکومت کے متعلقہ افراد نے پوچھا:

"تم کیوں یہ ذمّہ داری چھوڑ کر فرار ہوگئے؟"

وہ کوئی جواب دینے کی ہمت نہیں کر پا رہا تھا۔ فقط اس نے اتنا ہی کہا کہ بس میں استعفیٰ دے رہا ہوں۔

حکومت کے متعلقہ افراد نے کہا:

"اگر تمھارا وظیفہ کم ہے اور تمھیں اس کا پورا حق نہیں مل رہا ہے تو ہم اِسے دگنا کیے دیتے ہیں۔"

قاری نے جواب دیا:

"اگر تم مجھے اس سے کئی گُنا زیادہ بھی دے دو تب بھی میں اس کے لیے تیار نہیں ہوں۔"

آخر کار حکومت کے آدمیوں نے کہا:

"ہم تمھیں اس وقت تک نہیں چھوڑیں گے جب تک تم اس کی اصل وجہ نہیں بتاؤ گے؟"

قاریٔ قرآن نے بالآخر بتایا:

"چند رات پہلے صاحبِ قبر نے میرا گریبان پکڑ لیا اور مجھ پر اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ تم میری قبر پر کیوں قرآن پڑھتے ہو؟!"

میں نے کہا: "مجھے یہاں اس لیے بھیجا جاتا ہے کہ میں قرآن پڑھوں اور اس کا ثواب تمھیں پہنچے۔"

اس نے کہا: ایسا نہیں ہوتا۔ بلکہ جیسے جیسے تم آیتیں پڑھتے ہو ویسے ویسے مجھ پر آگ کا عذاب بڑھتا چلا جاتا ہے!! اور مجھ سے کہا جاتا ہے: سُن رہے ہو؟ تم نے دنیا میں یہ کام کیوں نہیں کیا؟!

یہی وجہ ہے کہ اب مجھ میں اتنی ہمّت نہیں کہ میں اس کی قبر پر جاکر قرآن کی تلاوت کروں۔ لہٰذا معذرت چاہتا ہوں اور مجھے امید ہے کہ آپ مجھے اس سلسلے میں معاف فرمائیں گے۔

پہلی صف میں نماز باجماعت

بعض بزرگوں نے یہ واقعہ بیان کیا ہے اور ہمیں اس پر غور کرنا چاہیے اور اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ ہم اس میں مبتلا نہ ہوں۔ واقعہ کچھ یوں ہے:

ایک متقی اور پرہیزگار شخص نے تیس سال تک پہلی صف میں باجماعت نماز ادا کی۔ وہ ہمیشہ سب سے پہلے مسجد آتا تھا اور سب سے آخر میں جاتا تھا۔ البتہ تیس سال کے بعد اسے کوئی ضروری کام درپیش ہوا تو وہ اپنے معمول کے مطابق وقت سے پہلے مسجد نہیں پہنچ سکا اور جب پہنچا تو جماعت کی صفیں کھڑی ہو چکی تھیں۔ پہلی صف میں اسے جگہ نہیں ملی لہٰذا وہ مجبوراً آخری صف میں کھڑا ہو گیا۔

جب وہ نماز سے فارغ ہوا تو آخری صف میں تھا۔ لوگ چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں اسے دیکھتے ہوئے مسجد سے جا رہے تھے۔ وہ شخص یہ محسوس کر کے انتہائی شرمندہ ہو رہا تھا کہ لوگ اسے آج آخری صف میں دیکھ رہے ہیں۔

کچھ دیر اس حالت میں رہنے کے بعد وہ اپنے بارے میں غور کرنے لگا کہ آخر مجھے یہ شرم کیوں محسوس ہو رہی ہے! پھر اپنے آپ سے کہنے لگا۔

اے بدبخت! اس سے تو یہ ثابت ہوا کہ تم تیس سال تک پہلی صف میں لوگوں کو دکھانے کے لیے نماز پڑھ رہے تھے! ورنہ اگر خوشنودئ خدا کی خاطر پہلی صف

میں آتے تو آج یہ توفیق حاصل نہ ہونے کی صورت میں، آخری صف میں کھڑے ہو کر اس طرح شرمندگی محسوس نہ کرتے! اور یہ خیال تمھارے دل میں نہ آتا کہ لوگ تمھیں آخری صف میں دیکھ رہے ہیں۔

اس خیال کے آتے ہی اس متقی و پرہیزگار شخص نے توبہ کی اور اپنی تیس سالہ نمازوں کو دوبارہ پڑھنے کا عہد کر لیا اور پھر ان کی قضا بجا لایا۔

چمکتا ہوا ہیرا اور جگنو

ایک شخص رات کی تاریکی میں پہاڑ کے قریب سے گزر رہا تھا۔ اُس نے دیکھا کہ دُور ایک چمکتی ہوئی چیز پڑی ہوئی ہے اور یہ سمجھا کہ وہ کوئی ہیرا ہے۔ وہ شخص اس کے قریب گیا اور پھر بڑی احتیاط سے اُس نے وہ چیز اور اس کے اردگرد کی مٹی کو اُٹھا کر صندوق میں رکھ لیا۔ اور پھر دوسرے ہی دن صبح سویرے وہ جوہری کی دکان پر گیا اور کہنے لگا:

"میرے پاس قیمتی ہیرا ہے اور میں اسے بیچنا چاہتا ہوں!"

جوہری نے کہا:

"لے آؤ۔"

اُس نے کہا:

"یہ نہیں ہو سکتا، اس میں خطرہ ہے، آپ خود میرے گھر آجایئے!"

بالآخر ہیرے جواہرات فروخت کرنے والا وہ دکان دار مجبوراً اُس کے گھر چلا آیا۔

اس شخص نے بڑی احتیاط سے صندوق کھولا اور اس میں سے وہ تھیلا نکال لیا۔ جب کھول کر دیکھا گیا تو تھیلے میں ایک مُٹھی خاک اور جگنو کے پَر کے علاوہ

کچھ اور نہیں تھا۔

یہ دیکھ کر وہ حیرت سے بولا:

"اُفوہ! وہ چمکتا ہوا ہیرا کہاں گیا؟!"

جوہری نے اس سے سارا ماجرا دریافت کیا۔ اس شخص نے گزشتہ رات کا پورا واقعہ بیان کر دیا۔

پورا ماجرا سُننے کے بعد جوہری نے کہا:

"اے بے وقوف! تُو نے خواہ مخواہ آج میرا دھندا خراب کر دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ کل رات تُو نے چمکتا ہوا جگنو دیکھا تھا اور اُسے ہیرا سمجھ کر اُٹھا لایا۔"

دودھ فروش کا خیالی پلاؤ

ایک دودھ فروش اپنے سر پر دودھ کا مٹکا اُٹھائے ہوئے گاؤں سے شہر کی جانب آرہا تھا۔ راستے میں وہ سوچنے لگا کہ آخر میں کب تک اس طرح زحمتیں برداشت کرتا رہوں گا۔ آج سے جو کچھ بھی میں کماؤں گا اس میں سے ایک مخصوص مقدار میں رقم بچا کر رکھا کروں گا۔ اس طرح مہینے بھر میں میری رقم فلاں مقدار تک ہو جائے گی۔ پھر میں چند مہینوں کے اندر اندر اپنی جمع ہونے والی رقم سے ایک دُنبہ خرید لوں گا۔ پھر اس کا دودھ بیچ کر ایک اور دنبہ لے لوں گا۔ اس کے بعد میرے ان دونوں دُنبوں سے کچھ مدت تک مزید دنبے پیدا ہو جائیں گے۔

پھر جب میرے دنبوں کی تعداد کافی بڑھ جائے گی تو میں اپنے بیٹے سے کہوں گا کہ وہ انھیں چراگاہ میں لے جائے اور فلاں جگہ سے چرا کر لے آئے۔ ہو سکتا ہے کہ اس چراگاہ میں چرانے سے کوئی شخص میرے بیٹے سے تُو تُو میں میں کرے اور میرے بیٹے سے جھگڑنے لگے۔ اگر کسی نے میرے بچے سے جھگڑا کیا اور اسے مارا پیٹا تو میں اس سے بدلہ لیے بغیر نہیں رہوں گا۔ یہ سوچ کر اس نے اپنے دونوں ہاتھ بڑھائے تاکہ بیٹے کو مارنے والے شخص کی پٹائی کرے لیکن اسی وقت اس کے سر سے مٹکا گرا اور سارا دودھ بہہ گیا۔

ایسے واقعات جن کا میں خود گواہ ہوں

٭ چند سال پہلے ایک شخص نے تین روپیہ فی گز کے حساب سے پلاٹ خریدا اور اسے تیس روپے فی گز کے حساب سے بیچ دیا۔ لیکن چند ہی روز بعد خریدار نے اس پلاٹ کو نوے روپے فی گز کے حساب سے دوسرے شخص کے ہاتھ فروخت کر دیا اور پھر اس دوسرے خریدار نے اس پلاٹ کو تین سو روپے فی گز کے حساب سے بیچا۔

یہ صورتِ حال دیکھ کر سب سے پہلے پلاٹ بیچنے والا شخص پریشان ہو گیا۔ اور شیطانی وسوسوں میں گھر کر خود کو ملامت کرنے لگا کہ آخر میں نے اپنا پلاٹ بیچنے میں اتنی جلدی کیوں کی! اگر میں ایک ہفتہ اور رک جاتا تو اس سے دس گنا زیادہ قیمت مجھے مل سکتی تھی اور اس طرح میری رقم لاکھوں تک پہنچ سکتی تھی۔

مختصر یہ کہ وہ شخص ایک ہفتے تک پریشان و سرگرداں رہا اور آخر کار کافی مقدار میں چونا اور اسپرٹ کھا کر ہلاک ہو گیا۔

٭ اسی طرح کا ایک اور واقعہ بھی میرے علم میں ہے کہ ایک شخص نے اپنی تمام چیزیں بیچ باچ کر ڈھائی لاکھ روپے کی جائیداد خریدی۔ جائیداد خریدنے کے بعد اسے پتہ چلا کہ اس کے ساتھ دھوکا ہوا ہے اور اس جائیداد کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے یہاں تک کہ اس کی آدھی بلکہ ایک تہائی قیمت بھی نہیں مل سکتی۔

مختصر یہ کہ وہ یہی سوچ سوچ کر بیمار پڑ گیا اور آخر کار کفِ افسوس ملتا ہوا اس دنیا سے رخصت ہو گیا۔

☆ آج سے تیس سال پہلے ایران کے ایک شہر شیراز کے ایک تاجر کو تجارت میں بری طرح نقصان ہوا اور اس کا کاروبار بند ہو گیا۔ اتنا بڑا مالی نقصان وہ نہ سہہ سکا اور خانہ نشین ہو گیا۔ جو بھی مال واسباب اس کے گھر میں تھا وہ اسے بیچ کر گزر بسر کرنے لگا۔ ہر وقت وہ اسی نقصان کی فکر میں پڑا رہتا تھا۔

ایک دن اس نے یہ حساب لگایا کہ اگر میں مال و اسباب بیچ کر اسی طرح گزارہ کرتا رہوں تو زیادہ سے زیادہ کتنے عرصے تک زندگی گزار سکتا ہوں۔

یہ سوچ کر جو کچھ بھی اس کے پاس تھا اس کا حساب کیا اور قیمت کا اندازہ کرنے کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ میں تین سال تک اسی طرح گزر بسر کر سکتا ہوں اور موجودہ چیزیں بیچ کر میری زندگی کے اخراجات تین سال تک پورے ہو سکتے ہیں۔ اس کے بعد وہ اپنے آپ سے کہنے لگا:

پھر تین سال بعد میں کیا کروں گا؟

کیا تین سال بعد میں سڑکوں پر لوگوں کے اجتماعات میں بھیک مانگتا پھروں گا!

میں نے زندگی بھر تجارت کی ہے اور عزت سے زندگی گزاری ہے۔ سب لوگ مجھے پہچانتے ہیں۔ میں بھلا لوگوں کے سامنے کیسے ہاتھ پھیلا سکتا ہوں؟

مختصر یہ کہ وہ تاجر اسی قسم کے شیطانی خیالات کا شکار ہوتا چلا گیا یہاں تک کہ اس نے زہر کھا کر خودکشی کر لی۔

☆

خدا کا شکر کرنے والا سائل

مسمع بن عبدالملک سے مروی ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام منیٰ میں تھے۔ ایک سائل نے آ کر آپؑ سے سوال کیا۔ امام علیہ السلام نے حکم دیا:

"اسے انگور کا ایک خوشہ دے دو۔"

سائل نے کہا:

"مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے، اگر پیسے ہوں تو دیجیے!"

امام علیہ السلام نے سائل سے فرمایا:

"خدا تمھاری حاجت کو پورا کرے!"

اور آپؑ نے اس سائل کو کچھ نہیں دیا۔ اس کے بعد دوسرا سائل آیا تو امامؑ نے اسے انگور کے تین دانے دے دیے۔ سائل نے انھیں لینے کے بعد کہا:

"الحمد للہ رب العالمین الذی رزقنی۔"

یعنی تمام تعریفیں اس خدا کے لیے ہیں جو سارے جہانوں کا پالنے والا ہے اور جس نے مجھ تک رزق پہنچایا۔

امام علیہ السلام نے سائل سے فرمایا:

"ٹھہرو ــــــ!"

اوراس کے بعد آپؑ نے اپنے دونوں ہاتھ انگوروں سے پُر کر کے اُسے دے دیے ــــــــ!

سائل نے دوبارہ شُکرِ خدا کیا۔ امامِ عالی مقامؑ نے ایک مرتبہ پھر اس سے فرمایا:

"یہیں رُکو ــــــــ!"

اس کے بعد اپنے غلام سے کہا کہ تمھارے پاس کتنی رقم ہے؟ اُس نے بتایا۔ تقریباً بیس۲۰ درہم۔ اور پھر یہ بیس کے بیس۲۰ درہم سائل کے حوالے کر دیے۔

سائل نے یہ رقم لی اور خدا کا شُکر کرتے ہوئے کہنے لگا:

"الحمد لله ربّ العالمين هذا منك وحدك لا شريك لك۔"

یہ سُن کر امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

"ابھی رُکو، جانا مت!"

اس کے بعد آپؑ نے اپنی قبا اُتار کر سائل کو پہننے کے لیے عنایت فرما دی۔

سائل نے اسے پہن لیا اور کہا:

"اس خدا کا شکر ہے کہ جس نے مجھے یہ لباس پہنایا اور میرے دل کو خوش کیا۔"

اس کے بعد سائل نے امامؑ کی طرف رخ کر کے کہا:

"اے بندۂ خدا! خدا تجھے جزائے خیر عطا فرمائے!"

یہ کہہ کر وہ سائل روانہ ہو گیا۔

مسمع کہتے ہیں کہ ہم یہ گمان کر رہے تھے کہ اگر وہ سائل امام علیہ السلام کی طرف متوجہ نہ ہوتا اور صرف شکرِ خدا بجالاتا رہتا تو حضرت اسے اسی طرح عطا کرتے رہتے!